۲۱۵۶۵ 1823

مخصوص کارڈ نمبر

مصنف :- گلشتہ (محمد عبداللطیف خاں [illegible]

عنوان :-

ترتیب :-

قاضی عزیز الدین احمد سوانح (قاضی) -

سوانح حیات

قیمت فی جلد عہ

[illegible] اگرہ

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی!

حیاتِ عزیز

یعنی

خان بہادر نواب قاضی عزیز الدین احمد او بی ای سی آئی ای - آئی ایس او وزیر اعظم دتیا

کے

مصور سوانح حیات

از

محمد عبداللطیف خاں کشتہ قادری ایم الف آر (آنرزانِ پرچین) بی ایل ای (انڈیا و انسٹدان اردو)

مصنف "تختِ طاؤس" ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری (یو-پی)

جس کو محمد حنیف خاں اینڈ کو نے شائع کیا اور

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہو

۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء

ملنے کا پتہ:- بہاری لال گوڑ اینڈ برادرس کسیلرس مین پوری

و محمد حنیف خاں اینڈ کو ۱۴۱ حلقہ مدن - نائی منڈی

بار اول (۵۰۰)

صحت نامہ

یہ بھی ایک رسم سی ہوگئی ہے کہ ہر کتاب کے ساتھ ایک "صحت نامہ" بھی ہو۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں اس رسم کہن کا پابند نہ بنوں لیکن ممکن نہ ہوا۔ صحت نامۂ ہذا کو بھی مکمل نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ یہ صرف اُن اغلاط کی صحت پر مشتمل ہے جن کے بغیر چارۂ کار نہیں اور عبارت کے خبط ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

کشتہ قادری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
دیباچہ							
ط	۲	تاآں کہ اتنی	تاآں کہ اس کی اتنی	۲۳	۸	نہ تھی	نہیں
ل	۱۰	اس نے اس عروج	اس لئے اس عروج	۲۴	۱۱	واقف تھے اور	واقف اور
س	۱	مناجات ہے، کرہی	مناجات۔ کرہے	۲۶	۱۸	عزیز سمجھنے	عزیز رکھنے
				۲۸	۱۰	فیض آباد	جب فیض آباد
۲	۱۵	دن میں	دن بھر میں		″	ہوئے چلتے	ہوئے تو چلتے
۱۰	۱۴	اس ہفتہ صاحب	اسی ہفتہ میں صاحب		″	قاضی صاحب بڑی محبت	قاضی صاحب سے بڑی محبت
۱۱	۱۳	اور اور	اور	″	۱۹	یہ کیا	یہ طے کیا
۱۳	۹	نانخواستہ	ناخواستہ	۲۹	۱	چھوڑیں اس دن	چھوڑیں اسی دن
۲۰	۱۶	لے گئے ہاں پیش	لے گئے تھے وہاں پیش	۳۲	۱۹	لکھوالی	لکھ ڈالی
″		رہگزائے	رہگرائے	۳۳	۸	ددی	مدد دی
۲۱	۹	[illegible] رہتے ہیں	مہربان رہتی ہے	۳۵	۱۰	سپرنڈنٹ اور مہتمم	سپرنٹنڈنٹ جیل ومہتمم
۲۲	۶	گو[illegible]ں کا مقولہ تھا تھا	گویا یہ قدرے تغیر اُن کا مقولہ ہے	۴۰	۱۰	یونیورسٹی فیلو	یونیورسٹی کا فیلو
				۴۱	۳	اس	اسی

سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	جو	جوامان اللہی	۹۴	۱۹	تعقیم کی ہوگئیں	تقسیم ہوئیں
۱۲	تعویق ہوئی	تعویق بھی ہوئی	۹۶	۱	ازل	ادبی
۲	یتیم خانہ	یتیم خانہ کھولا گیا	۹۹	۴	لوگوں	لوگوں نے
۳	محتاج خانہ	محتاج خانہ قایم کیا گیا	۱۰۲	۶	یادگار ہے	یادگار جو
۱۴	تدبیر	تدبُّر	”	۱۸	یوس	بوس
۵	ایدشس	ایدیشن	۱۰۴	۸	اپنا	اپنی
۱۰	ادائے قرض	ادائے فرض	۱۱۰	۱۶	ہے ہندوستان	ہے اور ہندوستان
۶	اسحاق	الحاق	۱۱۵	۱۱	علمیہ کا سیاسیہ	علمیہ، سیاسیہ
۷	کرکے دکھلائی جاتی	کرکے جو بیان دکھلائی جاتی رہتی	۱۲۲	۶	باوجودے بے	باوجود بے
۱۳	طریق	طرق	”	”	سے	،
۱۶	(۱)	(۲)	”	۷	کے ساتھ لیتے رہیں	کے ساتھ کام لیتے رہیں
۱۰	اور ایک چٹھی میں تحریر فرمایا	اور سکریٹری کے ذریعہ	۱۲۳	۱	بڑے لوگوں	بُرے لوگوں
		ایک چٹھی میں تحریر فرمایا	۱۲۴	۲ و ۳	محبت کا برتاؤ کیا اور اخلاق	محبت اور اخلاق
۷	رس میں	بنارس میں	۱۲۹	۳	اس لئے بہت	اس لئے بھی بہت
۱۶	سلطنۃ بحیثیت	سلطنۃ جب بحیثیت	۱۴۱	۱۴	تیرگی	تیرکی
۱۸	موصوف	موصوفین	۱۴۷	۱۵	سمجھتے تھے	نبھتے تھے

محمد عبداللطیف خان کشتہ قادری - منشی
فاضل - (ایچ - پی) (پنجاب) - ایل - اِی
ایڈوانسڈ اِن اُردو (الہ آباد)

صفحۂ تعارف "حیاتِ عزیز"

تعارف تصاویر مشمولہ "حیات عزیز"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

جنگِ عظیم کے بعد سے اس وقت تک "اردو" زبان نے وہ گریز پا ترقی کی ہے کہ باید و شاید۔ تاآنکہ اتنی زبردست کامیابی کی نظیر اُس کے کسی اور دَور میں نہیں ملتی۔ گویا یہ عہد اُس کا "عہدِ زرّیں" ہے جس میں اُس کا دامن بہت وسیع ہوا۔ تراجم تالیفات، تلخیصات اور طبعزاد مضامین کی حیثیت سے وہ رنگارنگ مضامین سے پُر ہوگئی اور اُس کے زمانہ شناس اہلِ قلم نے قریب قریب ہر علمی و فنی شعبہ میں اپنے جواہر افکار کی جنّت نگاہ نمائش کی اور تاریخِ زبان، تنقیدِ ادب، اقتصادیات، نفسیات، تعلیمات نباتات، سیاسیات، وضع اصطلاحات، حیوانات، طبعیات، مابعد الطبعیات، ریاضیات، منطق اور فلسفہ وغیرہ کا ایک زبردست سرمایہ جمع کردیا، جس نے ترقی زبان میں قابلِ تحسین معاونت کی مگر اہلِ ادب کے خاص طور پر ان اُمور کی جانب متوجہ ہوجانے نے بعض ایسے ادبی شعبوں میں ایک خاص کمی پیدا کردی جو قوم و اخلاقیاتِ قوم کی تعمیر میں امداد کرسکتے تھے میرا مقصد صحیح "رمان (ناول) نویسی" اور حقیقی "سیرۃ نگاری" سے ہے جن کی

جانب سے اس دور میں بے حد بے اعتنائی و بے نیازی سے کام لیا گیا تا آنکہ ان کا قدم دائرۂ دنیائے صحافت سے باہر نہ نکل سکا۔ طرّہ یہ کہ اس میں بھی یہ خصوصیت پیدا ہو گئی کہ "رماں نویسی" کا مذاق مختصر افسانجات (مظہر جذباتِ محبت) کی شکل میں محدود ہو گیا اور "سیرۃ نگاری" حلقۂ شعراء کی پابند بن گئی۔ حالانکہ ایسے وقت میں جب کہ طول و عرضِ ملک میں بجائے جمود، سکوت اور بے حسی کے آثارِ حیات، بیداری و نمو پیدا ہو چلے ہوں اخلاقی ناولوں اور خاص طور پر کتبِ سیر کے سلسلہ کو وسیع کرنے کی سخت ضرورت تھی تاکہ سرخوشانِ عہدِ شباب جن سے آئندہ ترقیاتِ ملکی و قومی کی امیدیں وابستہ ہیں اعظم الرجال، سچے خدامِ وطن، بہی خواہانِ ملک و ملّت اور اپنے قوّتِ بازو سے خود کو بامِ ترقی پر پہونچانے والوں کے حالات مطالعہ کر کے اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے اور اُن سے برمحل کام لینے، مصائب کا مقابلہ کرنے، حالاتِ زمانہ کے موافق بننے اور ترقی کرنے کے طریقوں کا سبق لیتے اور صحیح اور سیدھے راستہ پر چل کر منزلِ ترقی پر پہونچتے کیونکہ نفس و اخلاقِ انسانی پر تمثیل کا ایک گہرا اثر پڑتا ہے اور چونکہ "سیرۃ" مجسمۂ تمثیل ہوتی ہے اس لئے اس سے بہتر سبق آموز اور عبرت انگیز کوئی شئے نہیں۔ انسانی ترقیات میں اس کو بہت زیادہ دخل ہے اور اس امر خاص میں اس کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ چنانچہ

(۱) مولانا حالی فرماتے ہیں

"دنیا میں اکثر لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ کر اپنے تئیں تکمیلِ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ تھر

کے دل میں جو ایک غیر معمولی تحریک پیدا ہوئی تجبیں فرینکلن نے جو نہایت ہی پست حالت سے اعلیٰ درجہ کی ترقی وشہرت حاصل کی اس کا بڑا سبب "بیوگرفی" کا مطالعہ ہو۔"

(۲) اسمائلس کا مقولہ ہے۔

"مشہور آدمیوں کی "سوانح عمری" انسان کی ترقی کا مفید ذریعہ ہے"۔

(سیلف ہلپ)

(۳) انگلستان کے کسی مشہور مصنف کا قول ہو۔

"- "بیوگرفی (حیات)" چلا چلا کر سمندر کے طوفان کی طرح یہ آواز دے رہی ہو "جاؤ تم بھی ایسا ہی کرو"۔۔۔۔"

(دیباچہ "نظام الملک طوسی")

اور جب نوجوانانِ ملک کی بداخلاقی اور عجیب و غریب ذہنیت' عام ملکی فلاس اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اس طرز عمل کی جانب نظر ڈالی جاتی ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے وسائلِ معاش کے اختیار کرنے سے بیزار بے محنت و نمایش حسنِ کارگزاری کے مراتب اعلیٰ کا خواستگار ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے لوگ اپنی عمریں ضائع کر کے مشغلۂ بیکاری و تنگی معاش کے روح فرسا صدمات سے اپنے آخری سانس تک ہم آغوش رہتے ہیں تو "سیرۃ نگاری" کی ضروریات کا احساس یک بیک بہت بڑھ جاتا ہو اور اپنی مساعی سے خود کو "کچھ نہیں" سے "سب کچھ" بنانے والوں کے حالات کو پیش نہ کر کے اُن بیچاروں کی رہنمائی نہ کرنے کے ذمہ دار اہل قلم حضرات نظر آنے لگتے ہیں اور اُن کی یہ چشم پوشی اتنی بڑی کوتاہی معلوم ہونے لگتی ہو جس کو آنے والی حساس نسلیں شاید کبھی محو و فراموش نہ کر سکیں۔

مہذب ممالک اور نباضِ زمانہ و متمدن اقوام نے "حیات نگاری" اور اس کے رموز و نکاتِ فوائد کو خوب سمجھا ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں حسب حالِ زمانہ ملکی وغیر ملکی اکابر و اعاظم کی بیشمار، بڑی چھوٹی، مصور، ارزاں اور جاذبِ قلب و نظر "سیر" بکثرت و مسلسل شائع ہوتی رہتی ہیں۔

اردو میں بھی "سیرۃ" کا ذخیرہ بہت کافی ہے مگر وہی جس کی بنیاد اصولِ روایت پر ہے اور فنِ درایت کے مطابق "فلسفۂ سیرۃ نگاری" کے تحت میں لکھی ہوئی سیرتیں اس قدر کم ہیں کہ اُن کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور اُن میں بھی زیادہ تر وہ ہیں جن کے مشاہیر کے ذرائع اور عہدِ حاضرہ کے وسائلِ ترقی میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے اور عصرِ قدیم کے اُن اسباب کو آج عمل میں لانا اور شاہدِ ترقی سے ہم کنار ہو جانا محال ہے اس لئے اس عروج و ترقیِ زمان کے دور میں ایسے حضرات کی سیرتوں کے قلمبند کرنے کی اشد ضرورت ہے جنھوں نے موجودہ ماحول میں باوجود دقتوں، مصائب، پریشانیوں ابنائے روزگار کی ریشہ دوانیوں اور طرح طرح کی رکاوٹوں کے اپنی ہستی کو فلکِ ترقی پر نیرِ تاباں بنایا ہو۔

چونکہ میں تیرہ [۱۳] - چودہ [۱۴] سال سے تعلیم و تعلّم کی زندگی بسر کر رہا ہوں، اکثر اپنے یا اپنے مدرسہ کے تلامذہ و طلبا کو جو ادنی، اوسط یا اعلیٰ اسنادِ علمی حاصل کر لیتے ہیں دیکھا کرتا ہوں کہ وہ بیکار پھرتے رہتے ہیں کسی کو ذریعۂ معاش نظر نہیں آتا۔ کسی کے حسب حال نہیں، کسی کو کچھ عذر ہے اور کسی کو کچھ، اور بیکاری نے اکثر میں عجیب عجیب حرکاتِ ناروا

پیدا کر دی ہیں لہٰذا مجھے عرصہ سے یہ خیال تھا کہ میں کسی ایسی ہستی کی "حیات" لکھ کر نوجوانانِ ملک کی خدمت میں بطور تمثیل پیش کروں جو اوصافِ بالا سے متصف ہونے کے علاوہ مذہبی تفریق سے قطعی مبرا ہو تاکہ ہر ہندوستانی اس کی زندگی کو اپنے لئے قابلِ تقلید تصور کر سکے۔ مگر میری متجسس نگاہیں مدتوں متلاشی رہنے پر بھی ناکام تلاش ہی رہیں۔

وسط ۱۹۲۹ء کا زمانہ جب کہ میں گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی میں تعینات تھا بہت ہی پُرمسرت زمانہ تھا کیونکہ اُسی زمانہ میں دولت برطانیہ کے زیر سایہ امن و امان سے زندگی بسر کرنے والوں کی خلوص آمیز دعائیں درِ قبول سے بامراد واپس ہوئیں، موجِ برق نے اعلیٰ حضرت ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم (خلد اللہ ملکہ و دولتہ) کی صحت کا روح پرور نغمہ الاپنا شروع کیا اور میں اس پُر برکت مژدے کے دوش بدوش ہم آغوشِ تمنا ہو گیا۔ تقریب یہ کہ اس مبارک و فرح بخش موقع پر عقیدتمندانِ بارگاہِ خسروی نے جابجا مختلف طریقوں سے اظہارِ خوشی و شادمانی کیا تھا چنانچہ میرے دیرینہ عنایت فرما منشی محمد رفیق صاحب ایڈیٹر "عزیزِ ہند" اخبار جھانسی کے دفتر میں بھی اُن کے اور اُن کے عملہ کی جانب سے جلسۂ تہنیت تبریک و اظہارِ مسرت ترتیب دیا گیا تھا۔ جس میں میلاد شریف، تشکر الٰہی، دعائے درازی حیات بقائے صحت اور دوام دولت و اقبالِ شاہنشاہی کے بعد عطر، پان، پھول اور شیرینی وغیرہ سے شرکائے جلسہ کی دل کھول کر تواضع کی گئی۔ بعد اختتام جلسہ میرے اور اڈیٹر صاحب موصوف کے درمیان تعلیم یافتہ طبقہ کی عام بیکاری اور نوجوانانِ ہند کی عجیب و غریب

حالات کے متعلق تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ دورانِ گفتگو میں نے اپنے قدیم خیال کا تذکرہ بھی کیا
ایڈیٹر صاحب نے "جھانسی" کی ہمسایہ ریاست "دتیا" کے وزیر اعظم **خان بہادر**
قاضی عزیز الدین احمد آئی ایس او' او بی ای' سی آئی ای کے مختصر
حالات، ممدوح کی کیفیت عروج، ترقیات اور ملکی و قومی خدمات پر اجمالی تبصرہ کرتے
ہوئے فرمایا "اگر آپ کے حالات و سوانح ضبط تحریر میں آجائیں تو تیرا خیال جامۂ عمل
پہن سکتا ہے" چونکہ قاضی صاحب کے حالات جہاں تک میرے علم میں تھے، درحقیقت
میرے مقاصد سے مطابقتِ تامہ رکھتے تھے اس لئے میں نے رفیق صاحب کے برجستہ اور
برمحل مشورے کا شکریہ ادا کیا اور دیوان صاحب بہادر موصوف کے حالاتِ حیات جمع
کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا لیکن مجھے بہت ہی جلد معلوم ہو گیا کہ کسی زندہ اور ایسی شخصیت
کی "سیرۃ" کا لکھنا جو نام و نمود سے تا بحدِ امکان گریزاں ہو، بحد دشوار ہے۔ تاہم میں نے
ہمت نہ ہاری اور اپنی دُھن میں لگا ہی رہا۔ ادھر ایڈیٹر صاحب نے میری حوصلہ افزائی
میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور نہ معلوم کہاں کہاں سے تلاش کر کے کچھ حالات،
کچھ اخبارات (جن میں قاضی صاحب کے مجمل سوانح وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے تھے)
کچھ خطوط اور اسی قسم کا اور سامان جمع کر کے مجھے مرحمت کیا۔ میں صورتِ ترتیب پر غور
و فکر ہی کر رہا تھا کہ جھانسی کالج میں عربی، فارسی اور اُردو کے مدرسین کی زیادتی تعداد
کی بنا پر محکمہ نے اس شعبہ میں ضرورتِ تخفیف محسوس کرتے ہوئے مجھے بین پوری تبدیل کر دیا۔
میں نہیں کہہ سکتا کہ وہی جھانسی جس کو چھوڑنے کے لئے متواتر پانچ سال تک میں نے

کوشش کی تھیں اس کا چھوڑنا اس وقت مجھے کسی قدر شاق ہوا مگر حکم حاکم مرگِ مفاجات ہے کر ہی کیا سکتا تھا۔ خدا بھلا کرے ایڈیٹر صاحب کا کہ انھوں نے مجھے مین پوری ہی میں اتنی امداد بہم پہونچائی کہ اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں مجھے کبھی بھولے سے بھی یہ یاد نہ آیا کہ میں جھانسی میں نہیں بلکہ مین پوری میں ہوں۔

بہر حال بفضلہ تعالیٰ آج قریب قریب ایک سال کی مسلسل دماغ سوزی کے بعد میں حیاتِ عزیز کی ترتیب و تکمیل میں کامیاب ہو رہا ہوں۔

یہ کتاب بارہ ابواب پر منقسم ہے اور میں نے اس کو "سیرۃ نگاری" کے موجودہ ترقی یافتہ طرز کے مطابق لکھا، ہر واقعہ و ہر کیفیت کے علل و اسباب کے متعلق نقد و تبصرہ سے کام لیا اور دورِ حاضرہ کے مذاق کے موافق مصور بھی کر دیا ہے۔

چونکہ منکسر المزاجی اور نمود نمایش سے مبرا ہونے کے باعث باوجود اعراض، گریز اور عذرِ عدیم الفرصتی کے اس کتاب کے ابواب اوّل لغایۃ پنجم جن میں قاضی صاحب کے حسب نسب، ولادت، خاندان، کوائف تعلیم تربیت و ملازمت کا تذکرہ ہے، اور باب نہم کا صرف اس قدر حصہ جس کو ممدوح کے سیاسی عقائد سے تعلق ہے۔ میری متواتر معروضات کی بنا پر موصوف کی نظرِ کیمیا اثر سے گزر کر توقیعِ توثیق حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے صحتِ کتاب پر مجھے اعتماد کامل ہے۔

شکوہ و شکریہ

میں اُن تمام حضرات کا جنھوں نے اپنے زرّیں مشوروں اور کامیاب امدادوں سے

"حیاتِ عزیز" کی ترتیب میں میری امداد کی خصوصاً منشی "محمد رفیق" صاحب مدیر "عزیز ہند" اخبار جھانسی منشی "عزیز الدین" صاحب صدیقی نائب کامدار ریاست میسور (جالون) اور کنور مصطفٰے خاں صاحب فرشیدی رشید اکبرآبادی بی اے کا بجد شکر گزار ہوں اس شکر گزاری کے ساتھ ساتھ مجھے اس شکوہ نگاری پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ خود خان بہادر قاضی عزیز الدین احمد صاحب بالقابہ نے اپنی انکساری کے باعث میری معقول امداد نہ فرمائی ورنہ شاید میں اس مرقع میں چند اور سبق آموز تصاویر کا اضافہ کر سکتا۔ بہرحال گزشتہ راصلوٰۃ گزشت۔

تہدیہ

اب میں اس پریشان گوئی کو ختم کرتے ہوئے اپنی ناچیز مساعی کے نتیجہ کو جو جشن صحت قیصری کی یادگار میں جو دپذیر ہوا ہے اپنے ملک کے دست ہمت ست کاہل مایوس گم کردہ راہ ترقی بجائے اپنی قوت بازو استخوان فروشی جداور دوسروں پر بھروسہ کرنے والے اور اپنے جذبات کو اپنے قابو میں نہ رکھنے والے نوجوانوں کی نذر کرتا ہوں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

مجھے امید ہے کہ وہ کتاب کے علم کو عمل میں لاکر عملاً حقیقی یعنی اپنی اصلاح سے مجھے موقع تشکر و امتنان دینگے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

اہلِ نظر سے گزارش

میں انسان ہوں اور مجھ سے کمی و کوتاہی تعجب سے نہیں اس لئے اہل نظر سے گزارش ہے کہ وہ ازراہِ کرم میری فرو گزاشتوں کی کھلی ہوئی تنقید کریں تاکہ میں اپنی اغلاط پر متنبہ ہو کر آئندہ احتیاط رکھوں اور ناظرین کتاب مغالطہ سے محفوظ رہیں۔

مین پوری (یو-پی)
۱۶- جون ۱۹۲۹ء
کشتہ قادری

خان بہادر، نواب، قاضی، عزیزالدین احمد - آئی - ایس - او،
او - بی - اِی، سی - آئی - اِی، دیوان، ریاست دتیا
(سنٹرل انڈیا)

بابِ اوّل

ولادت، خاندان اور ابتدائی حالات

۱۔ ولادت وخاندان قاضی عزیز الدین احمد صاحب ۱۸۶۱ء میں (غدر ۱۸۵۷ء کے چار سال بعد) بمقام بسواں ضلع سیتاپور (اودھ) پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان قضاۃِ اودھ میں ہمیشہ سے امتیازِ خاص رکھتا تھا اور ان کے بزرگ عام طور پر شاہانِ اودھ کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے تھے

قاضی صاحب کے جدِ امجد قاضی امیر الدین احمد مرحوم ومغفور فاضلِ اجل اور شاہِ اودھ کے سفیر تھے۔

قاضی صاحب کے والد قاضی سعید الدین احمد مرحوم کو چودھرائن، راحت النسار صاحبہ نے متبنیٰ کرکے اپنی ایک معقول ریاست ان کو ہبہ کردی تھی، جس کا زیادہ حصہ تبدیلیِ سلطنتِ اودھ کے وقت اُن کے قبضہ سے نکل گیا۔ وہ اودھ کمیشن میں ایک مشہور ومعروف اور نامی گرامی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ بعد غدر وانتزاعِ سلطنتِ اودھ کے جن افسرانِ اودھ کی خدمات، انگریزی حکومت میں منتقل ہوئیں اُن میں قاضی سعید الدین احمد مرحوم کی شخصیت بھی تھی۔ انگریزی سرکاری ملازمت میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے سلطان پور، پرتاب گڑھ اور گونڈہ کے بندوبست میں بحیثیت

ڈپٹی کلکٹر کے پیش بہا خدمات انجام دیں۔

۲- طفولیت

قاضی عزیز الدین احمد صاحب کے بچپن کا زیادہ حصہ گونڈے میں بسر ہوا۔ اُن کی تنہائی سے پریشان نہ ہونے کی غرض سے اُن کے والد نے دو تین غریب اور نادار طلباء کا تکفل اپنے ذمہ لے لیا تھا جو ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے، کھیلتے، کودتے اور ان ہی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ چودہ برس کی عمر تک اِن ساتھیوں کے سوا اور کسی ہم عمر سے ان کی دوستی اور جان پہچان تک نہ ہوئی۔

۳- تعلیم

ان کے والد بیحد پُرانے طرز اور قدیم خیالات کے آدمی تھے اور انگریزی تعلیم سے قطعی متنفر، جس کے باعث انھوں نے قاضی صاحب کی "بسم اللہ" بڑی دھوم دھام سے دس بارہ ہزار روپیہ خرچ کرکے لائق لائق اساتذہ عربی و فارسی کے مہیا کئے اور اپنے عزیز بیٹے کی تعلیم و تربیت اُن کے سپرد کر دی۔

مولوی ضامن علی صاحب فتحپوری مرحوم، عربی علوم و فنون کے علاّمہ تھے، ان سے عربی اور منشی محمد عادل صاحب سے جو فارسی کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے فارسی کی تعلیم پائی۔ گو اُن کی جسمانی حالت زیادہ مضبوط اور تندرستی بہت اچھی نہ تھی جس کی وجہ سے وہ کبھی غیر معمولی محنت نہ کر سکے تاہم ذہن کی خوبی و رسائی جو اُن کا فطری حصہ ہے اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ جو سبق دوسرے طالب علم دن میں یاد نہ کر سکیں وہ دو گھنٹہ میں بخوبی یاد کر لیتے تھے اور یہی سبب تھا جس کی بنا پر انھوں نے پندرہ سال کی عمر میں عربی، فارسی، انشا پردازی و خوشنویسی میں اعلیٰ دستگاہ بہم پہونچالی تھی۔

۴- انگریزی پڑھنے کا شوق

اواخر ۱۸۸۱ء میں وہ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے اور وہاں شیخ واجد حسین صاحب مرحوم تعلقہ دار

گدیہ) اور چودھری احسان رسول صاحب (تعلقہ دار ردولی) سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحبان تعلقدار انسٹیٹیوٹ میں (جو اس زمانہ میں صرف رُوسائے اودھ کا اسکول تھا) تعلیم پاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر قاضی صاحب کو بھی انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اپنے والد کے خوف سے دم نہ مار سکے

۵۔ تائیدِ غیبی

خدا کی قدرت کہ لکھنؤ سے واپس ہوتے ہی ایک دن گونڈا کے مہتمم بندوبست جو ایک بہت ہی شریف وضیع، خلیق، ملنسار اور ہر دل عزیز انگریز تھے اور جن کا اُن کے والد سے بیحد ربط تھا اُن کے والد سے ملنے کے لئے مکان پر تشریف لائے۔ اُس زمانہ میں انگریز ہندوستانیوں کے گھر شاذ و نادر ہی جاتے تھے، اُن کی آمد کی خوشی ڈپٹی صاحب کے گھر میں عید سے کم نہ تھی۔

ڈپٹی صاحب نے ہونہار بیٹے کو یہ ہدایت کی کہ وہ بھی صاحب کے سلام کو آئے۔ صاحب بہادر کا پھاٹک تک استقبال کیا اور ایک کمرے میں جو رنگ کی وجہ سے "دھانی کمرہ" کہلاتا تھا لیجا کر بٹھایا۔ یہ باپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب صاحب بہادر بیٹھ گئے تو اُن کو موصوف کے سامنے کر کے کہا "یہ بندہ زادہ ہے"

صاحب نے اُن سے بہت اخلاق سے ہاتھ ملایا اور قریب بلا کر ایسی خندہ پیشانی و خوش اخلاقی سے انگریزی میں کچھ سوال کیا کہ اُن کا خوف جو اس سے قبل کسی انگریز سے ملاقات نہ کرنے کے باعث اُن پر طاری تھا، بالکل جاتا رہا اور اُنھوں نے بہت سہولت سے جواب دیا "میں انگریزی نہیں پڑھتا۔"

صاحب بہادر:۔ کیا آپ انگریزی نہیں پڑھتا؟

قاضی صاحب۔ جی ہاں میں نے اب تک انگریزی نہیں پڑھی۔ فارسی عربی اچھی طرح جانتا ہوں۔

صاحب بہادر:۔ آپ انگریزی پڑھنا چاہتے ہیں؟

قاضی صاحب :۔ مجھ کو انگریزی پڑھنے کا بہت شوق ہو مگر والد صاحب قبلہ کی اجازت ضروری ہی۔

صاحب بہادر (ڈپٹی صاحب سے مخاطب ہو کر) ڈپٹی صاحب! آپ چھوٹے قاضی صاحب کو ضرور انگریزی پڑھوائیے۔

ڈپٹی صاحب :۔ حضور! ابھی اس نے عربی کی تکمیل تو کی ہی نہیں ہی انگریزی یہ کیا پڑھے گا؟

صاحب :۔ نہیں نہیں ڈپٹی صاحب! ان کو آج ہی سے انگریزی پڑھوائیے میں آج ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کو لکھوں گا کہ وہ ایک ہوشیار، ذی استعداد اور تجربہ کار ماسٹر تعینات کر دیں جو اس لڑکے کو انگریزی پڑھاوے۔ جب اس کو کچھ انگریزی آجائے تب علی گڑھ بھیج دیجیے گا، وہاں سید احمد خاں نے ایک بہت عمدہ مدرسہ جاری کیا ہے۔

ڈپٹی صاحب :۔ حضور عالی سید احمد خاں کے مدرسہ میں تو میں اپنے لڑکے کو ہرگز نہ بھیجوں گا، وہ تو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اور ہم لوگ ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ مگر ایسا ہی ارشاد ہی تو میں گھر پر انگریزی شروع کرا دوں گا۔

صاحب بہادر دیر تک باتیں کرتے رہے اور رخصت کے وقت قاضی صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اب تم انگریزی اچھی طرح پڑھو اور کبھی کبھی ہم سے ملنے آیا کرو، ہم بہت خوش ہونگے"۔ گو ڈپٹی صاحب کو یہ امر ناگوارِ خاطر ہوا کہ صاحب بہادر اُن کے صاحبزادے کو انگریزی پڑھانے کا حکم دے گئے۔ لیکن صاحب کی عنایت اُن کے اور ہونہار بیٹے کے مابین جو بات چیت ہوئی اس سے دل ہی دل میں وہ بہت خوش ہوئے۔

دوسرے دن گونڈا ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے صاحب بہادر کے حسب ہدایت ہاشم علی خاں صاحب ایک قابل انگریزی ماسٹر کو مقرر کر دیا اور وہ بمحنت و شوق تمام انگریزی پڑھنے لگے اور

لائق اُستاد کی محنت و دلسوزی سے کچھ ہی عرصہ میں اُن کی انگریزی قابلیت اس قدر ہوگئی کہ وہ ہائی اسکول کے درجۂ چہارم (موجودہ درجۂ هفتم) میں بطور اسپیشل اسٹوڈنٹ (مخصوص طالب علم) کے داخل ہوگئے یعنی صرف دو گھنٹہ انگریزی ادب پڑھ کر گھر چلے آتے تھے۔ مدرسہ کے علاوہ اور اساتذہ بھی گھر پر تعلیم دیتے تھے اور وہ انگریزی زبان کو بیحد شوق سے سیکھتے اور چاہتے تھے کہ اس میں پوری پوری استعداد ہو جائے۔

۶۔ ڈپٹی صاحب کا سفرِ حج

اوائل ۱۸۷۶ء میں ڈپٹی صاحب بغرض حج بیت اللہ ارض مقدس حجاز کو تشریف لے گئے اور قاضی صاحب مع اپنی والدہ وغیرہ کے گونڈہ ہی میں رہ کر تحصیل علم کرتے رہے۔

۷۔ ایک حادثہ

اسی زمانہ میں یہ ناگہانی حادثہ پیش آیا کہ ڈپٹی صاحب کے قائم مقام جو صاحب تشریف لائے تھے اُن کے دو صاحبزادے تھے جو گھوڑے پر بہت اچھا سوار ہوتے تھے۔ قاضی صاحب سے اور اُن سے دوستی ہوگئی اور اُن کی صحبت میں اُن کو بھی گھوڑے کی سواری کا شوق ہوا۔ ایک دن یہ اُن دونوں صاحبزادوں میں سے ایک کے ساتھ ہوا خوری کے واسطے جنگل کی طرف گئے۔ قاضی صاحب کے گھوڑے نے تیزی کی، وہ گر گئے اور بہت چوٹ آئی۔ اس واقعہ کے بعد وہ ایسے خوف زدہ ہوئے کہ اب تک سوائے اشد ضرورت کے شوقیہ کبھی سواری نہیں کرتے۔

۸۔ ڈپٹی صاحب کی مراجعت

وسط ۱۸۷۶ء میں ڈپٹی صاحب سفرِ حج سے واپس تشریف لائے اور تمام متعلقین نسواں گئے۔ وہاں بھی سرکاری مدرسہ تھا مگر قاضی صاحب کی تعلیم چار مہینہ تک برائے نام ہی ہوتی رہی۔ بعد انقضائے میعادِ رخصت ڈپٹی صاحب پرتاب گڑھ تعینات ہوئے وہاں کے ہیڈ ماسٹر انگریزی ادب کے بہت ہی

ممتاز عالم تھے اور قاضی صاحب کو خانگی طور پر بہت جی لگا کر پڑھاتے تھے۔

۹۔ ڈپٹی صاحب کی وفات

پرتاب گڑھ کے مدرسہ میں ابھی قاضی صاحب داخل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ شروع جون ۱۹۱۱ء میں ڈپٹی صاحب "دربار قیصری" کے بعد وطن تشریف لے گئے۔ دفعتاً وہاں سے سخت علالت کا تار آیا اور وہ بدحواس ہو کر بسواں پہونچے۔ اُن کے پہونچنے کے چند گھنٹہ بعد ہی باوجود سعی بسیار ڈپٹی صاحب اپنے خلف الرشید سے بات نہ کر سکے اور انتقال ہو گیا ع دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

قاضی صاحب "ڈپٹی صاحب مرحوم کا سایہ اُٹھنے کے بعد"

جب باپ کا سایہ سر سے اٹھا ہے تو قاضی صاحب کی عمر سولہ (۱۶) سال کی تھی اور منجھلے بھائی خان بہادر قاضی جلیل الدین احمد او بی ای وزیر اعظم ریاست بجاور (بندیلکھنڈ) کی ۶-۷ سال کی اور چھوٹے بھائی حمید الدین احمد مرحوم کی دو سال کی۔

نوجوان قاضی کے لئے یہ عجیب نازک اور امتحان کا وقت تھا۔ نہ کوئی عزیز قریب جو امداد کر سکے نہ ڈپٹی صاحب مرحوم کی اولوالعزمی و مہمان نوازی کی وجہ سے اتنا سرمایہ کہ اس خاندان کی عمر بفراغت بسر ہو سکے تاہم اتنی کمی بھی نہ تھی کہ اُن کی اور اُن کے بھائی کی تعلیم کے واسطے دقت ہوتی۔ زمینداری کی اتنی آمدنی تھی کہ دونوں بھائی اچھی تعلیم پا سکتے اور کسی مدرسہ میں بھرتی ہو کر "انٹرنس" کا امتحان پاس کرنے کے بعد کالج میں تعلیم پاتے اور وہ خود اپنے مرحوم والد کے خیال وکالت کو عملی جامہ پہنا سکتے تھے کیونکہ مرحوم ملازمت پسند نہ کرتے تھے اور آخر عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ انھیں وکیل بنانا چاہتے ہیں مگر کوئی اچھی صلاح دینے والا نہ تھا۔ وطن کے لوگ انگریزی تعلیم کے فوائد سے نابلد اور عزیز و اقارب رفتار زمانہ سے ناواقف تھے۔ اس وقت

کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے ہر صاحب تدبیر یہی کہے گا کہ گو تاہی ہوئی لیکن تقدیر اُسی وقت ہنس ہنس کر کہہ رہی تھی کہ یہی بہتر ہے ' دیکھے تو جاؤ یہ سلیف میڈ (خود ساز) ہستی ایک دن فلکِ اقبال پر آفتاب بن کر چمکے گی اور بھائی کو مہتاب بنا کر منور کرے گی یہ سپوت ثابت ہوں گے اور دنیا کے لئے مثال بنیں گے ' آیندہ نسلیں اُن کی شمعِ عمل کی روشنی میں ترقی کا راستہ پائیں گی اور اُنھیں خضرِ راہ بنائیں گی ۔"

۱۱۔ ترکِ تعلیم و خیالِ ملازمت

قدرتی طور پر لڑکپن میں نوکری کی بڑی تمنا ہوتی ہے اور خصوصاً اس شخص کو جس نے اپنے آبا و اجداد کی حکومت اور قدر و منزلت کے افسانے سُنے حالات اور زمانے دیکھے ہوں ۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھتے ہی قاضی صاحب کو ملازمت کی دھن لگ گئی اور پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا ۔

ابنائے روزگار کی عبرتناک حالت

ڈپٹی صاحب مرحوم بہت ہی کثیر الاحباب مہمان نواز ' با اخلاق اور با مروت انسان تھے بکثرت امرا ، رؤسا اور حکامِ اعلیٰ سے اُن کی راہ و رسم اور دوستی تھی جو کچھ کماتے تھے دوست احباب کی دعوتوں اور غربا و مساکین کی خدمت میں صرف کر دیتے تھے ۔ اُن کے انتقال کرتے ہی زمانہ کا رنگ بدلا اور معدودے چند کے سوا کسی نے کسی قسم کی امداد تو درکنار مرحوم کے دل شکستہ بیٹوں کی تشفی ' دل جوئی و دل داری تک نہ کی ۔

بعض مخلصین کا سلوک اور مشورہ نیک

البتہ ڈپٹی صاحب مرحوم کے چند ہندو احباب نے قاضی صاحب کے شوق ملازمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور یہ مشورہ دیتے ہوئے کہ موجودہ انگریز حکام سے جن کی نظر میں ڈپٹی صاحب کی خدمات تازہ ہیں فائدہ اٹھایا جائے ' ایک مسودہ درخواست طیار کیا اور چند ڈپٹی کمشنروں کے

پاس درخواست بھیج دی گئی۔ بعض حکام نے رسمی جواب دئے اور بعض نے ملاقات کے لئے بلایا۔ کرنل برکنس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے یہ صلاح دی کہ چوں کہ مڈل پاس ہونے کی قید عائد ہو چکی ہے اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو سرکاری ملازمت میں داخل ہو جانا چاہیے اور غالباً ان کا قصد تھا کہ کوئی معمولی سا عہدہ دے دیں۔ یہ اندازہ کر کے بلند نظر اور عالی ہمت قاضی صاحب لکھنؤ گئے اور چیف کمشنر اودھ کے پرسنل سکرٹری کپتان جی آرسکن سے جو ان کے والد کے دوست تھے ملاقات کی۔ موصوف بجد شفقت و محبت سے پیش آئے اور انھوں نے فرمایا "انگریزی میں خوب محنت کرو ہم موقع سے تمھاری سفارش کر دیں گے"۔ لہذا وہ اپنے والد کے ایک ہندو دوست کی کوٹھی میں مقیم ہوئے

اس قیام کو دو مہینے گزرے ہوں گے کہ ایک دن امین آباد میں ہاشم علی خاں صاحب سے جو ان کے قدیم استاد تھے ملاقات ہوگئی۔ دوران گفتگو میں انھوں نے کہا "پرسنل سکرٹری صاحب بجد خلیق آدمی ہیں۔ بیچارے کسی کی دل شکنی گوارا نہیں کرتے۔ بہت سے آدمیوں نے ان کی امیدواری میں اپنی عمریں صرف کر دیں اور کامیاب نہ ہوئے۔ آپ براہ راست سر جان انگلس چیف کمشنر صاحب سے ملاقات کر کے عرض حال کیجیے"۔

قاضی صاحب چیف کمشنر اودھ سے ملنے پر آمادہ ہو گئے جو بہت ہی فیاض، بامروت، خلیق آدمی اور ان کے والد کے دوست بھی تھے۔ آخر کار ملاقات کے لئے خط لکھا گیا۔ تیسرے روز چیف کمشنر صاحب نے جواب دیا اور ملاقات کا وقت مقرر کر دیا۔

۱۴۔ سر جان انگلس سے ملاقات اور سرکاری ملازمت کے لئے نامزدگی

جس روز قاضی صاحب وقت معینہ پر چیف کمشنر صاحب کی ملاقات کو گئے ہیں اسی روز (نواب) شیخ مہدی حسین (فتح نواز جنگ بہادر مرحوم) کی

ملاقات بھی تھی۔ یہ قاضی صاحب کے دور کے رشتہ دار تھے اور اُن کے والد مرحوم کے ساتھ پرتاب گڑھ میں تحصیل دار رہے تھے اُن سے نشست کے کمرے میں ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے قاضی صاحب کو جن کا ایک جلیل القدر حکمراں کی باریابی کے خیال سے چہرہ فق تھا، دل دھڑک رہا تھا، بہت تسلی و تشفی کی اور خود پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پہلے چیف کمشنر صاحب اور نواب صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ بعد ملاقات مرحوم نے قاضی صاحب کا ذکر کیا اور بلا بھیجا۔ یہ گئے اور سلام کیا۔ چیف کمشنر صاحب بڑے اعزاز سے پیش آئے اور سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم دی، ہاتھ ملایا اور کرسی پر بٹھا کر فرمایا۔

چیف کمشنر :- ول ! ہم کو آپ کے والد کے بے وقت مرنے کا بڑا افسوس ہے۔ قاضی سعید الدین بڑا لائق افسر تھا۔

قاضی صاحب :- حضور ! اُن کے بے وقت انتقال سے ہم لوگ بہت پریشان ہیں اور حضور کی پرورش کے امیدوار۔

چیف کمشنر :- آپ نے کیا تعلیم پائی ہے ؟

قاضی صاحب - عربی، فارسی پڑھی ہے اور کسی قدر انگریزی سیکھی ہے۔ انگریزی مدرسہ میں تعلیم کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کوئی امتحان پاس کیا ہے۔

نواب صاحب :- (چیف کمشنر سے) یہ صاحبزادے ماشاءاللہ بہت ذہین ۔ بجد لائق اور سعادت مند ہیں۔

چیف کمشنر صاحب :- (نواب صاحب سے) افسوس ہے ان کو انگریزی تعلیم نہیں دی گئی (قاضی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا) اچھا ! آپ کیا چاہتے ہیں ۔؟

قاضی صاحب :- حضور میری خواہش تو یہ ہے کہ مجھے میرے باپ کا عہدہ دیا جائے۔

چیف کمشنر صاحب:۔ (ہنسکر) ول صاحب! یہ غیر ممکن ہی۔ اول تو آپ کی عمر بہت کم ہے دوسرے یہ دستور نہیں ہی کہ ایکبار گی اتنا بڑا عہدہ آپ کو دیا جائے۔

نواب صاحب:۔ (چیف کمشنر سے) اگر اِن کو تحصیلداری دے دی جائے تو چند روز بعد مجھ کو اُمید ہی کہ اچھی طرح ان سے کام چل جائے گا۔

چیف کمشنر:۔ نہیں صاحب! تحصیلداری اور ڈپٹی کمشنری دونوں یکساں ذمہ داری کے عہدے ہیں۔ ایسے چھوٹے لڑکے سے تحصیلداری ہرگز نہیں چل سکتی۔ ہماری رائے میں نائب تحصیلداری سے اس کو شروع کرنا چاہئے اگر کام جلد سیکھ جائے گا اور افسر لوگ سفارش کریگا تو ہم دو ہی برس میں جب ذرا بڑا ہو جائے گا تحصیل دار کر دیں گے۔ ہم صوبہ اودھ کے تمام ڈپٹی کمشنروں کے نام حکم جاری کرائے دیتے ہیں کہ اودھ میں جو پہلی نائب تحصیلداری خالی ہو وہ اس لڑکے کو دے دی جائے۔ قاضی سعیدالدین کا گورنمنٹ پر بہت زیادہ حق تھا اس کے لڑکے کی گورنمنٹ ضرور پرورش کرے گی۔

یہ کہا اور نواب صاحب سے ہاتھ ملایا اور رخصت کر دیا۔ چلتے وقت قاضی صاحب کو صرف سلام کر کے رخصت کیا اور کہا "آپ کو جلد جگہہ ملے گی"

اُسی ہفتہ صاحب موصوف نے حسب وعدہ اُن کی ملازمت کے متعلق ایک گشتی حکم (سرکلر) اودھ کے سارے ڈپٹی کمشنروں کے پاس بھیج دیا۔

۱۵۔ پرسنل سکریٹری صاحب کی برہمی

اس زمانہ کے انگریز حکام کا دستور تھا کہ اپنے متوسل کو نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے کی سرپرستی کا خواہش مند ہو۔ قاضی صاحب جو یوم معینہ پر پرسنل سکریٹری صاحب سے ملنے گئے تو انھیں چیف کمشنر صاحب سے ملاقات کرنے کی بنا پر بہت چراغ پا پایا۔ انھوں نے بہت عذر معذرت

کر کے رفع ملال کرنا چاہا مگر صاحب بہادر آئیں تو جائیں کہاں، بہت بگڑے۔ آخر کار خود دار اور غیور قاضی صاحب ان کے بنگلہ سے یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ اب حضور کو میں جب تک ڈپٹی کلکٹر نہ ہو لوں گا مُنہ نہ دکھاؤں گا۔

۱۶۔ لکھنؤ سے فیض آباد کی روانگی

وہ سکرٹری صاحب کے برتاؤ سے بہت ہی شکستہ خاطر ہوئے اور لکھنؤ میں ان کا جی گھبرانے لگا۔ بے نیل مرام وطن جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بیحد متردد تھے کہ یکایک اُنھیں اپنے والد کے دیرینہ مربی و خیرخواہ کرنل پرکنس ڈپٹی کمشنر فیض آباد کی یاد آئی اور فوراً فیض آباد روانہ ہو گئے۔ وہاں پہونچ کر انگوری باغ میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے کر وہیں قیام پذیر ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور کبھی کبھی اپنے ایک ہم وطن و عزیز مفتی انوارالحق صاحب سے جو انگریزی اسکول میں مدرس تھے ملنے چلے جاتے تھے۔

۱۷۔ اضافۂ معلومات و علمی ترقی

زمانہ اُمیدواری کی پریشانیوں اور تفکرات نے اُن کے شوقِ اضافۂ معلومات، انگریزی زباں دانی کی تکمیل اور اور علمی جذبات کو کبھی افسردہ نہ ہونے دیا اور گو اُن کو انگریزی پڑھنے کا بہت کم موقع ملا تاہم بحالتِ امیدواری دورانِ قیام لکھنؤ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اور اُن کے ہم جلیسوں سے خوب صحبتیں رہیں اور اخبار بینی و مضمون نگاری کا شوق پیدا ہو گیا۔ فیض آباد کے قیام میں بھی وہ اس مذاق سے خالی نہ رہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اپنا "پایونیر" اور راجہ صاحب اُودھ اخبار بھیج دیتے تھے اور یہ اپنا زیادہ وقت اخبار بینی و مطالعہ کتب میں صرف کیا کرتے تھے۔

۱۸۔ اودھ اور ممالک مغربی و شمالی کے الحاق کا مسئلہ اور قاضی صاحب کی مساعی

اُسی زمانہ قیام فیض آباد

میں اودھ کے ممالک مغربی وشمالی سے الحاق کا مسئلہ چھڑا اور باوجود تعلقہ داران اودھ کی مخالفت کے جس میں راجہ سر امیر حسن خاں بہادر مرحوم تعلقدار محمود آباد نے نمایاں اور قابل تعریف حصّہ لیا یہ مسئلہ طے ہی ہو کر رہا۔ اب تک قاضی صاحب کو سیاسیات اور نظام حکومت میں تو اس قدر دخل نہ ہوا تھا کہ وہ اس انتظام کی موافقت یا مخالفت میں کوئی خاص رائے قائم کر سکتے۔ ہاں انھیں الحاق اودھ اس وجہ سے ضرور گراں گزرا کہ صاحب چیف کمشنر بہادر نے جو حکم اُن کی نائب تحصیلداری کے واسطے جاری کیا تھا وہ اس ردوبدل نظم و نسق سے بے اثر ہونے والا ہے اس کے علاوہ وہ اس لئے بھی متردد تھے کہ اودھ میں جس قدر حکام ہیں وہ اُن کے والد کے شناسا ہیں۔ خیال یہ تھا کہ ہر طرح کی امداد کر سکیں گے اور ممالک مغربی و شمالی سے جو افسر آئیں گے اُن سے نہ سابقہ واقفیت ہو گی نہ امید ہمدردی۔ اس بنا پر انھوں نے بھی دو چار زور دار مضامین الحاق کی مخالفت میں لکھ کر شائع کرائے۔
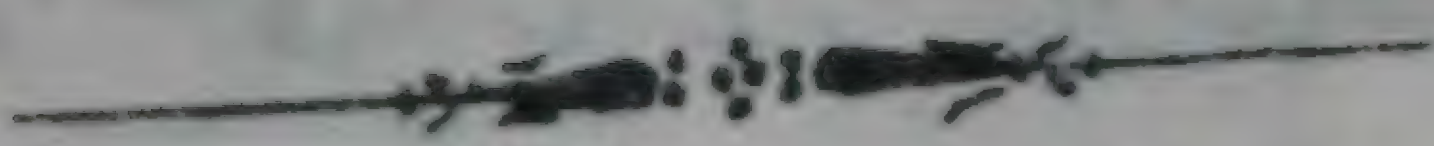
بابِ دوم

سرکاری ملازمت اور عہد بعہد کی ترقیات

۱۔ تقررِ اولین ۱۸۶۸ء میں ایک روز قاضی صاحب اپنے مکان پر بیٹھے تھے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب فیض آباد کا ایک چپراسی آیا، ایک لفافہ دیا اور انعام مانگا۔ لفافہ میں مندرجۂ ذیل پروانہ تھا۔

"عزت آثار شیخ عزیز الدین بعافیت باشند۔

ریاست سمن پور تحصیل اکبر پور بوجہ عدم ادائے مال گزاری قرق تحصیل کی گئی۔ شیخ ولی محمد نائب تحصیلدار ٹانڈا منیجر اور تم اُن کے پیشکار مقرر ہوئے۔"

بلند نظر و عالی حوصلہ قاضی صاحب حیران تھے کہ وہ اس نوکری کے پانے پر اظہار مسرت کریں یا رنج۔ تاہم بیکاری سے بیگار بھلی والے مقولہ سے تسکین قلب کی۔ کچھ دور اندیش دور بین بہی خواہوں نے سمجھایا بجھایا اور یہ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کے یہاں بادلِ ناخواستہ شکریہ ادا کرنے کے لئے گئے۔ صاحب بہادر نے کام اچھا کرنے کی فہمایش اور آیندہ ترقی کا وعدہ کر کے انھیں رخصت کیا اور وہ رسم تشکر کی ادائگی کے بعد اسی دن اکبر پور روانہ ہو گئے۔

۲۔ اکبر پور کی زندگی اور مشاغل اکبر پور میں کام کم تھا۔ منیجر ریاست ایک شریف آدمی تھے اور ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرتے باقر حسن صاحب اور میر غضنفر حسین صاحب تعلقداران پیر پور بہت محبت سے

پیش آتے تھے ''اخبار بینی اور ''اودھ پنچ'' کی مضمون نگاری میں زیادہ وقت گزرتا تھا۔ اُن دنوں ''اودھ پنچ کی بڑی دھوم تھی' اُنھیں ایک ایک پرچہ صبح سے شام تک بے مبالغہ دس دس مرتبہ پڑھ کر دوستوں کو سنانا پڑتا تھا۔ شام کے وقت تفریحاً اسٹیشن کی سیر کو جایا کرتے تھے۔ غرض بہت ہی اچھی طرح اور دلچسپی کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔

۳۔ معمولی ملازمت سے بد دلی۔ محکمۂ ریلوے میں سعی ملازمت

چوں کہ یہ ملازمت ان کو بدل پسند نہ تھی اس لئے او۔ آر ریلوے کے ایجنٹ سے جو بہ رسم شکار اکبر پور آیا ہوا تھا کہ ریلوے کی ملازمت کی تمنا کی۔ ایجنٹ نے حوصلہ افزائی کی اور اسٹیشن ماسٹر اکبر پور کے نام انھیں کام سکھانے اور رپورٹ کرنے کا حکم لکھ کر دے گیا۔ وہ اس نعمتِ غیر مترقبہ کو پاکر بیحد خوش ہوئے۔ اسٹیشن ماسٹر نے توجہ سے کام سکھایا اور اُنھوں نے جی لگا کر سیکھا اور دس ہی بیس دن میں وہ ریلوے کے کاروبار میں برق ہوگئے۔

۴۔ محکمۂ ریلوے میں تقرر۔ احباب کا نیک با موقع مشورہ

ایک مہینہ بعد اسٹیشن ماسٹر نے بہت تعریف و توصیف کے ساتھ قاضی صاحب کی کاردانی و اہلیت کی رپورٹ کی۔ ایجنٹ نے فوراً ''بہرام گھاٹ'' کی گڈس کلرکی کا پروانہ اُن کے نام بذریعہ تار بھیج دیا۔ وہ خوش تھے اور اُن کے احباب افسردہ۔ تعلقداران بیرپور نے اس ملازمت کو ناپسند کیا اور اُن کے خیال کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے کہا ''یہ نوکری آپکے شایانِ شان نہیں۔''

۵۔ سرکاری ملازمت کے وقار کا ذہن نشین ہونا

اب قاضی صاحب کرنل پرکنس ڈپٹی کمشنر فیض آباد کی ملاقات کو گئے۔ کرنل صاحب اور مسٹر جیکسن کمشنر فیض آباد سے بگاڑ تھا جس کی وجہ سے کمشنر صاحب نے موقع پاکر انھیں پرتاب گڑھ

تبدیل کرادیا تھا اور وہ زیر احکام تبادلہ پریشان تھے۔ اپنے ہمدرد کو مصیبت میں پاکر قاضی صاحب کا دل بھر آیا اور بے اختیار رو دئیے۔ کرنل صاحب بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے بھی آنسو نکل پڑے اور فرمایا "تم بھی پرتاب گڑھ چلو" انھوں نے وہ تار پیش کر دیا' جسے دیکھتے ہی صاحب بہادر اپنا غم تو بھول گئے اور اُنھوں نے غصہ کے مارے بیتاب ہو کر اُن کو بہت ڈانٹا اور کہا "تم ریل کی نوکری کر کے باپ دادا کی عزت پر بٹہ لگانا چاہتا ہے۔ اگر گورنمنٹ کے انتظامی محکمہ میں دس روپیہ کا نوکری ملے اور ریل میں سو روپیہ کا تب بھی ریل کی نوکری تم کو نہیں کرنا چاہیے آج ریل کی نوکری مانگتا ہے کل کسی سوداگر کی کلرکی کرے گا۔ بس بس! تم بڑا خراب لڑکا ہے ہم ابھی ایجنٹ کو لکھتا ہے اور حکم تقرری منسوخ کرا دے گا"

۶۔ استعفا۔ خانہ نشینی۔ شماتت ہمسایہ

اُنھوں نے بہت کچھ بات بنانی چاہی مگر صاحب بہادر نے ایک نہ سُنی اور یہ رخصت ہو کر اکبر پور پہونچے۔ ریل کی ملازمت کا خیال چھوڑ دیا اور اکبر پور کی ملازمت سے مستعفی ہو کر وطن چلے گئے وہاں نہ کوئی صحبت نہ سوسائٹی۔ دن رات خانگی افکار و تردداُت کے سوا کوئی شغل نہ تھا! ابنائے وطن ریلوے کی نوکری نہ کرنے پر لعن و طعن کرتے تھے کیوں کہ اس دور میں اور خصوصاً اس نواح میں نوکری کا معیار بہت اعلیٰ نہ تھا' صرف حصولِ زر مقصدِ زندگی سمجھا جاتا تھا۔ خواہ وہ کسی طرح ہو۔

دوبارہ تقرر

وہ کچھ زیادہ دن وطن میں نہ رہنے پائے تھے کہ کرنل صاحب موصوف نے یاد کیا اور پرتاب گڑھ میں پھر معمولی سی جگہہ پر تقرر کر دیا۔ وہ بہت دل گرفتہ ہوئے کہ جو نوکری ملتی ہے لغو اور معمولی تاہم بیکاری سے نجات ملنے پر خدا کا شکر کر کے اپنے چھوٹے بھائی (خان بہادر) قاضی خلیل الدین احمد مرحوم کی تعلیم کا انتظام سیتا پور میں کیا جہاں وہ ٹھاکر جواہر سنگھ صاحب آنجہانی تعلقدار کسمنڈہ کے صاحبزادہ اور پوتے کے ساتھ رہ کر

تعلیم پانے لگے (راجہ سورنج بخش سنگھ صاحب وی ای تعلقدار کمال پور ٹھاکر صاحب کے صاحبزادے ہیں اور راجہ سری پال سنگھ صاحب تعلقہ دار ان کے پوتے۔ خاندان کسمنڈہ اور قاضی صاحب کے خاندان سے بہت پرانے مراسم برادرانہ تھے جو اب تک قائم ہیں) اور خود پرتاب گڑھ روانہ ہو گئے۔

۸۔ پرتاب گڑھ

پرتاب گڑھ کی زندگی قاضی صاحب کی خارجی و داخلی زندگی میں ایک نمایاں درجہ رکھتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ بنے، بگڑے اور پھر بنے۔ یہیں کی صحبتوں، معرکوں اور تجربوں نے ان کو وہ سب کچھ سکھایا جس کی بدولت اُن کی زندگی قابل تقلید ہوئی۔ ان کو بھی ہمیشہ اس مقام سے بیحد محبت رہی اور آج بھی اگر نام آجاتا ہے تو بے اختیار وہ "پرتاب گڑھ"! "ڈیراولڈ پرتاب گڑھ" کے نعرے لگاتے ہیں۔

انھیں پرتاب گڑھ پہونچنے سے بہت مسرت ہوئی کیوں کہ کچھ ہی دن پہلے ان کے والد مرحوم وہاں کے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رہ چکے تھے۔ حلقہ شناسائی وسیع تھا اور گو ماضی و حال میں زمین و آسمان کا فرق تھا تاہم پرانی محبت اور پُرانے تعلقات سے دل کو بڑی تقویت تھی۔

چوں کہ عام طور پر عوام میں مشہور تھا کہ کرنل صاحب اُن کے حال پر بیحد مہربان ہیں اس لئے اہلِ عملہ اور افسران بہت اچھی طرح پیش آتے تھے اور پھر اُن کے اخلاق نے بھی لوگوں کو اپنا اس قدر گرویدہ بنالیا تھا کہ ہر کہ و مہ اُن کی بہت عزت کرتا تھا۔

۹۔ تبدیلی وضع

اُس زمانہ میں سرسید؁ کی وضع ترقی کر رہی تھی مگر عام طور پر مسلمان اس کو بہ نظرِ استحسان نہ دیکھتے تھے۔ بلکہ بہت سے پرانے خیال کے کٹر لوگ تو اس وضع کو نعوذ باللہ آثارِ کفر سے تعبیر کرتے تھے۔ پرتاب گڑھ میں سرسید کے پیرو بہت سے حضرات تھے جن میں شیخ مہدی حسین تحصیلدار اور میر اقبال منصف بہت ہی نمایاں تھے یہیں سید محمد امیر نامی بلگرام کے رہنے والے ایک لائق آدابِ مجلس و آئین صحبت سے بخوبی واقف ملنسار آدمی تھے

جو اپنے حسن لیاقت، خوش گفتاری و مزاج دانی کے باعث اکثر رؤسا و حکام کی مصاحبت میں رہتے اور وکالا کے کمیشن کے ذریعہ سے بسر اوقات کرتے۔" اور مہدی حسین اور اقبال علی صاحبان کی صحبت میں سر سید کے مقلدین گئے تھے۔ وہ ایک روز قاضی صاحب کی ملاقات کو آئے اور ادھر اُدھر کی باتیں اور اظہار ہمدردی کرنے کے بعد انھوں نے سر سید مرحوم، اُن کی لیاقت، قومی ہمدردی اور وضع قطع کی بہت تعریف و توصیف کی۔ "تہذیب الاخلاق" پڑھنے کی ترغیب دلائی اور بہت کچھ نشیب و فراز دکھا کر انگریزی طرز معاشرت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ انھیں سر سید کے کارناموں سے پہلے ہی دلچسپی تھی مگر اس دن سے اُن کے قلب پر اور بھی سکہ بیٹھ گیا۔ ہندوستانی کپڑے بُرے معلوم ہونے لگے۔ لال ترکی ٹوپی تو دوسرے ہی دن خرید لی اور کبھی کبھی استعمال بھی کرنے لگے تاہم قطعی تغیر نہ ہوا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سر سید مرحوم کے خلف الرشید سید حامد سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کر آگئے۔ وہ ایک غیر معمولی طبیعت کے آدمی تھے۔ اُن سے اور قاضی صاحب سے بہت جلد غلا ملا ہو گیا اور اب وضع میں بہت فرق آگیا اور وہ قطعی انگریزی لباس پہننے لگے۔

۱۰- بزرگان قدیم کی دیانت داری

اسی زمانہ میں میر محمد حسن خاں صاحب ایک ڈپٹی کلکٹر تھے۔ نہایت وضع دار اور راست باز۔ قاضی صاحب کے والد مرحوم کا کچھ روپیہ اُن کے پاس بطور امانت جمع تھا جس کی خود قاضی صاحب کو بھی مطلق خبر نہ تھی۔ انھوں نے وہ روپیہ بلا کسی تحریک کے قاضی صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اس رقم نے فیشن کی درستی اور دوست احباب کی آؤ بھگت میں بہت مدد کی۔

۱۱- عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

دفعتاً کرنل صاحب موصوف رخصت لے کر ولایت گئے۔ چلتے وقت اُن کو بہت نشیب و فراز

سمجھائے نصیحتیں اور قابلیت بڑھانے کی ہدایتیں کیں۔ ان کی جگہہ سابق رزیڈنٹ لکھنؤ کے صاحبزادے میجر لو تشریف لائے۔ ان کے آنے کے تھوڑے ہی دن بعد اودھ میں عدالت دیوانی کا نیا صیغہ قائم ہوا اور اس میں جدید افسران و ملازمان کی بھرتی ہوئی۔ میجر صاحب چوں کہ تازہ وارد اور اہل عملہ کی قابلیت و کارگزاری سے ناواقف تھے لہذا تمام انتظام ہر دفتر و سرشتہ دار کے مشورے سے کیا۔ جو لوگ کرنل صاحب کی مہربانیوں کے باعث قاضی صاحب سے ملال رکھتے تھے انھیں دلی بخار نکالنے کا ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا اور کچھ ایسی چال چلے کہ یہ تخفیف میں آگئے۔ یہ کارروائی کچھ اس طرح صیغۂ راز میں رکھی گئی تھی کہ انھیں کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور معلوم بھی ہوا تو اتفاقیہ طور پر صرف ایک دن پہلے، جب حریف پورا پورا وار کر چکا تھا۔ اس راز کے افشا ہوتے ہی پرتاب گڑھ میں سب کو قاضی صاحب سے دلی ہمدردی پیدا ہو گئی اور ان کا سلسلۂ ملازمت قائم رہنے کی ہر امکانی کوشش ہوئی۔ بالآخر مسٹر ایلیٹ اسسٹنٹ کمشنر نے جو ان کی قابلیت سے واقف تھے ڈپٹی کمشنر سے مل کر حکم تخفیف منسوخ کرایا۔ مگر اہل دفتر کو ان کا علٰحدہ نہ ہونا گراں گزرا، نوبت بایں جا رسید کہ ان کو کام کرنا دشوار ہو گیا اور مجبور ہو کر انھوں نے استعفا دے دیا۔ صاحب بہادر نے قاضی صاحب سے استعفا دینے کا سبب دریافت کیا اور پوچھا "تم انگریزی جانتا ہے؟" انھوں نے جواب دیا "تھوڑی سی" صاحب نے حکم دیا "استعفا نامنظور، منشی! اس چھوکرے کو ہمارے اجلاس میں تعینات کر دو اور اس کی جگہہ کسی اور آدمی کو بھیج دو"۔

اس استعفے کے بعد ہی قاضی صاحب کا ستارہ برسر عروج ہوا۔ پہلے ہی روز پیشی میں ان کی زود نویسی و تیز فہمی سے صاحب بہادر بیحد خوش ہوئے، اور دو چار دن میں غایت درجہ مہربان ہو گئے انگریزی اخبار پڑھنے کو دیتے۔ ۲-۲ بجے رات تک انگریزی کا کام لیتے۔ اغلاط کی تصحیح کر کے سمجھاتے اور فرد گزاشتوں کی طرف توجہ دلاتے۔ اس کے ساتھ ہی انھیں اپنی میم صاحبہ سے ملایا جو ان کو انگریزی پڑھاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی عنایتیں افسرانہ درجے سے گزر کر بزرگانہ ہو گئیں۔ بدہ اور

ان کی میم صاحبہ دونوں میاں بی بی اُن سے مثل اولاد کے محبت کرنے لگے۔ ادھر اُن کی دیانت داری نے صاحب موصوف کے دل میں ان کی وقعت کو اور بھی دوبالا کر دیا۔ دورے میں وہ انھیں اپنے ساتھ رکھتے، اپنی ٹمٹم پر بٹھا کر سفر کرتے، خیمہ گاہ میں اُن کے قیام کے لئے جداگانہ ایک چھوٹا سا خیمہ جو "فیلڈ افیسرس ٹینٹ" کہلاتا ہے نصب کراتے۔ اس قدر عنایت کا عوام پر بھی بہت اچھا اثر ہوا اور لوگ پہلے سے زیادہ اُن کی عزت کرنے لگے۔ بڑے بڑے امراء، رؤسا اور تعلقدار اُن سے برابر کی ملاقات کرتے اور میجر صاحب کی طرح اُن کو بھی ڈالیاں دیتے تھے۔

۱۲۔ نظامت مردم شماری

۱۸۶۹ء میں گورنمنٹ سے مردم شماری کے واسطے ایک سپرنٹنڈنٹ کے تقرر کا حکم آیا جس میں کسی تحصیلدار یا نائب تحصیلدار کے منتخب کئے جانے کی ہدایت تھی کیوں کہ اُس کے ماتحت بہت بڑا عملہ رکھا جانے والا تھا۔ سررشتہ دار نے بہت سے لوگوں کے نام پیش کئے لیکن میجر صاحب ممدوح کی مردم شناس اور قدرداں نظر نے قاضی صاحب کو انتخاب کیا اور انھوں نے گورنمنٹ کو رپورٹ کر دی کہ اس سے زیادہ قابل اور اچھا آدمی اس ضلع میں اور کوئی نہیں۔ گورنمنٹ سے منظوری آگئی اور صاحب بہادر نے تمام انتظام اُن کے اختیار میں دے کر وہ کمرہ جس میں اُن کے والد مرحوم اجلاس کیا کرتے تھے اُن کی نشست کے واسطے خالی کرا دیا۔ اُس روز سے انھیں یقین واثق ہو گیا تھا کہ خداوند کریم ایک دن مرحوم باپ کا رتبہ انھیں ضرور عنایت فرمائے گا۔

قاضی صاحب نے ایک بڑا عملہ جس میں بہت سے اُن کے پرانے دوست، مدرسہ کے طلبا اور کچہری کے ماتحت اہلکار تھے، اپنی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے منتخب کئے اور اُن کو سمجھایا کہ چوں کہ اس کام کے بحسن و خوبی انجام پانے پر میری آئندہ ترقیات اور تمھاری بہبودی کا دارومدار ہے اس لئے کوتاہی عمل میں نہ لانا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود انھوں نے اور اُن کے ماتحتوں نے اس ولولہ، جوش

شوق، محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا کہ اس کی تعریف وتحسین احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ الہ آباد سے جو پندرہ روزہ نقشہ یو۔پی کی مردم شماری کے متعلق شائع ہوا کرتا تھا اس میں ضلع پرتاب گڑھ کا کام تمام صوبہ میں اول دکھایا جاتا تھا۔

۱۳۔ حوادثِ روزگار دنیا کے بھی عجب کارخانے ہیں، حالات کو بدلتے دیر ہی نہیں لگتی، ذرا میں کچھ اور ذرا میں کچھ۔ ابھی قاضی صاحب اس مسرت سے کافی طور پر لطف اندوز نہ ہونے پائے تھے کہ فلکِ کج رفتار کو نئی سوجھی اور انھیں پے بہ پے دو جاں کاہ صدموں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اول تو ان کا سب سے چھوٹا بھائی حمید الدین مرحوم، جس کی عمر دو سال کی تھی دفعتاً انتقال کر گیا۔ اُن کی والدہ اس بچے کے انتقال سے بےحد رنجیدہ، مغموم اور مضطرب تھیں، بھائی کی وفات اور ماں کی پریشانی یہ ایسے دل گداز اسباب تھے کہ اُن کا دل بیٹھ گیا اور انھیں سخت صدمہ ہوا۔ اسی عالم میں یہ رباعی کہی ؎

دنیا میں سبھی کو صبر کرنا ہوگا اِس رہ میں قدم ہر اک کو دھرنا ہوگا
میت پہ حمید کی کہاں تک ماتم ؟ تم کو بھی عزیز یوں ہی مرنا ہوگا

ابھی حمید مرحوم کے ماتم سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ایک اور قیامت خیز سانحہ سے دوچار ہونا پڑا۔ میجر لو صاحب بہادر جن کی بے انتہا مہربانیوں سے اُن کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں چند روز کے لیے شملہ بغرض سیر و تفریح تشریف لے گئے۔ ہاں یکایک ہوئی اور رہ گزائے عالمِ باقی ہوگئے۔ اُن کے انتقال کا تار کیا آیا کہ قاضی صاحب پر بجلی گر پڑی، خرمنِ صبر و قرار جل گیا۔ تمام امیدوں پہ پانی پڑ گیا اور دیرینہ کس مپرسی کا نقشہ نظر کے سامنے پھرنے لگا۔ بے اختیار آنسو نکل پڑے سیدھے مسٹر الیس اسسٹنٹ کمشنر کے پاس گئے۔ ان کو بھی اس خبر سے بےحد افسوس ہوا۔ دفاتر بند کیے گئے

میجر صاحب کی جوانا مرگی پر دوست تو دوست دشمن بھی چشم پُر آب تھے اور جو سنتا تھا کفِ افسوس ملتا تھا۔

این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

انھوں نے اُسی دن پرتاب گڑھ ہائی اسکول میں بہ صدارت ایس صاحب موصوف اپنے مربی کی وفات پر جلسۂ تعزیت منعقد کر کے ایک ایسی پُر درد و جگر سوز تقریر کی کہ لوگوں کے دل ہل گئے اور میجر صاحب بہادر کی بے وقت موت پر اظہارِ غم کا رزولیوشن پاس کر کے بذریعہ تار مسز لو صاحبہ کی خدمت میں ارسال کیا۔

مسز لو صاحبہ براہِ راست شملہ ہی سے ولایت تشریف لے گئیں اور اُن کو اپنے قاضی بہادر کے آخری سلام کا موقع بھی ہاتھ نہ آیا۔ اس واقعہ نے اور دلِ مجروح پر نمک پاشی کی اور وہ دل تھام کر رہ گئے۔ انگریزی قوم میں یہ خاص صفت ہے کہ جس پر مہربان ہوتی ہے حاضر و غائب یکساں مہربان رہتے ہیں۔ مسز لو جب ہندوستان چھوڑنے لگیں، اُنھوں نے قاضی صاحب کی پُر زور سفارش اپنے شوہر کے جانشین سے کی اور میجر لو کو جو دلچسپی نوجوان قاضی صاحب سے تھی اس کا پورا حال لکھا جس سے آیندہ بہت فائدہ پہونچا۔

میجر لو کی وفات پر میجر ایچ ڈبلو ہسٹنگز صاحب ڈپٹی کمشنر پرتاب گڑھ مقرر ہو کر آئے۔ اُن کے متعلق مشہور تھا کہ مال کے تجربہ کار، مشہورِ انتظار پرداز مگر ہندوستانیوں کے ساتھ سخت بدزبان ہیں۔ بعض کم ظرف حضرات اور حسّاد کو لو صاحب کے انتقال اور ہسٹنگز صاحب جیسے سخت گیر حاکم کی تعیناتی پر محض اس وجہ سے خوشی تھی کہ قاضی صاحب کی رفتارِ ترقی رک جائے گی اور خود انھیں اپنی ریشہ دوانیوں کی بدولت اُن سے بدلہ لینے کا موقع مل جائے گا مگر ع تدبیر کند بندہ و تقدیر زند خندہ۔ میجر صاحب بھی اُن کی حسن کارگزاری سے اس قدر مسرور ہوئے کہ بخلاف اپنے اس حکم عام کے کہ سوائے اعلیٰ افسران اور تعلقداران کے کوئی بنگلہ پر ملاقات کے لئے نہ آیا کرے۔ وہ قاضی صاحب سے

بے تکلف ملتے اور بیحد قدردانی فرماتے تھے

۱۴۔ پیشکاری

سنہ ۱۸۸۱ء کے اختتام پر مردم شماری کا کام تکمیل کو پہونچا اور ضلع پرتاب گڑھ کا کام تمام صوبہ میں اول درجہ پر رہا۔ ہیٹنگز صاحب نے ان کی خدمات کو نہایت شاندار قرار دیا اور مسٹر وہائٹ کمشنر مردم شماری نے تعریف وسفارش کر کے انھیں صدر دفتر الٰہ آباد کے واسطے طلب کیا مگر انھوں نے پرتاب گڑھ اور وہاں کی سوسائٹی کو خیرباد کہنا گوارا نہ کرتے ہوئے انکار کر دیا گویا ان کا مقولہ تھا۔

لگ گیا تھا ان دنوں کنجِ قفس میں اپنا دل
مجھ کو اے صیاد کچھ پروا رہائی کی نہ تھی

اسی دوران میں ہیٹنگز صاحب کا تبادلہ بارہ بنکی کو ہوا اور وہ چلتے چلتے ایک معمر ناکارہ پیشکار کو پنشن دلا کر قاضی صاحب کو مستقل پیشکار بنا گئے۔ اس کارروائی سے مخالفین کے دلوں پر سانپ لوٹ گئے۔ دوسرے حاکم کے آتے ہی سازشیں شروع کر دیں اور اس تقرر کے خلاف کمشنری میں اپیل کرا دی۔ چوں کہ ان کی عمر کم تھی اس لئے وہ خود بھی متردد تھے مگر مسٹر سانڈرس اسسٹنٹ کمشنر نے تازہ وارد ڈپٹی کمشنر کو صورت معاملہ اس خوبصورتی کے ساتھ سمجھائی اور کچھ اس عمدگی کے ساتھ کوششیں ہوئیں کہ تمام اپیلیں مسترد ہو گئیں ہیٹنگز صاحب کا فیصلہ بحال رہا اور کمشنری سے بھی انھیں کے حق میں منظوری آگئی۔

۱۵۔ غلط فہمی

اس کے بعد میجر گرگ صاحب پرتاب گڑھ کے مستقل ڈپٹی کمشنر ہو کر تشریف لائے۔ یہ راشی اہلکاروں کے دشمنِ جانی' بدمعاشوں کے لئے قضائے ناگہانی اور اُن انگریزوں میں سے تھے جن کے نام سے اودھ میں لوگ تھراتے تھے اور طرح طرح کی روایتیں اُن کے متعلق مشہور کر رکھی تھیں۔ وہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر چڑھ کر شہر و دیہات کا گشت لگاتے

محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں گھوم کر افسروں اور اہلکاروں کے متعلق تحقیقاتیں کرتے اور ہمیشہ دس بجے سے چار بجے تک خوب جم کر کام کرتے تھے۔ ان کا چہرہ اس قدر پر رعب تھا کہ سامنے جاتے ہوئے لوگوں کی روح فنا ہوتی تھی۔ اُن کے آتے ہی پرتاب گڑھ میں تہلکہ مچ گیا۔ خصوصاً اُن کے سرشتہ دار کی تو خوف کے مارے بہت بری حالت تھی۔

قاضی صاحب اس زمانہ میں "اودھ پنچ" میں بکثرت مضامین لکھا کرتے تھے اور اُن کی عادت تھی کہ بغیر نوک جھوک کے باز نہ آتے تھے۔ یہ پُر لطف وقائع اُن کے ہاتھ آئیں اور وہ خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہیں، ناممکن۔ اُن کے اور سرشتہ دار کے مابین محض سرشتہ دار کی بد طینتی کے باعث پرانی لاگ ڈانٹ بھی تھی۔ لہٰذا انھوں نے ایک مضمون لکھا جس کی سرخی تھی ؎

منشی صاحب! زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار

اس مضمون میں از راہِ ظرافت میجر گرگ کو کہیں "بھیڑیا" اور کہیں "گرگ باراں دیدہ" لکھا تھا مضمون دراصل میجر موصوف کی تعریف میں تھا اور مقصد یہ تھا کہ صاحب بہادر ایسے تجربہ کار اور بیدار مغز حاکم ہیں کہ اُن کے آتے ہی راشیوں کا بازار سرد پڑ گیا مگر حریفوں نے صاحب کو یہ مضمون سنا کر الٹی پٹی پڑھا دی اور سمجھایا کہ حضور کو "بھیڑیا" لکھا ہے۔ بیچارے میجر صاحب اُردو سے ناآشنا فوجی آدمی جامہ سے باہر ہو گئے اور اس قدر برہم ہوئے کہ قاضی صاحب کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

۱۶۔ لطیفہ جس زمانہ میں قاضی صاحب نے مضمون لکھا ہے وہ زیر رخصت تھے۔ واپسی پر جب انھیں واقعہ کی نوعیت و حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اپنی صفائی کی غرض سے گرگ صاحب کے بنگلہ پر گئے اور اطلاع کرائی۔ صاحب بڑے زور سے چلّا اٹھے "چپراسی! کہدو وہ ہمارے سامنے نہ آئے ہم بھیڑیا ہے اس کو کھا جائے گا"۔ انھوں نے باہر ہی سے بآواز بلند کہا "حضور کو خدا

نے ضلع کا مالک بنایا ہے اور حضور کے انصاف کا شہرہ ہے۔ میری بات سن لیجئے اور اس کے بعد جو چاہے سزا دیجئے"۔ میجر صاحب نے جواب دیا "ہم بھیڑیا ہے کھا جائے گا" قاضی صاحب نے کہا "آپ اسی دم مجھے کھا جائیں اس کی ذرا پرواہ نہیں مگر پہلے سن لیجئے آپ کو لوگوں نے دھوکا دیا ہے اور مضمون کا مطلب غلط بتلایا ہے" صاحب نے فرمایا "چلے جاؤ! ہم کچھ سننا نہیں چاہتا اور نہ تم سے ملنا چاہتا ہے" قاضی صاحب جا کر پچھتائے اور بچارے بصد حسرت و یاس واپس چلے آئے ؎

از درِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

وہ سخت مضطرب اور پریشان تھے اور اُن کا خیال تھا کہ یہ کوئی الزام لگا کر برخاست کر دے گا اور میں فضول غلط فہمی کا شکار بن جاؤں گا۔ پرتاب گڑھ کے تمام انگریز حکام نے جو اصلیت و حقیقت مضمون سے واقف تھے اور قاضی صاحب کے دلی بہی خواہ تھے فرداً فرداً اور مجموعی طور پر "کلب" میں گرگ صاحب سے ذکر کر کر کے اس امر کی کوشش کی کہ ان کا دل اُن کی طرف سے صاف ہو جائے مگر ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور صاحب بہادر کا غیظ و غضب یوماً فیوماً ترقی ہی کرتا چلا گیا اور جب ان کا کوئی اور بس نہ چلا تو انھوں نے اُن کو ایک ہندوستانی ڈپٹی کلکٹر کی پیشی میں تبدیل کر دیا۔ ادھر صاحب ضلع کی نظر کے پھرتے ہی چند خاص خاص احباب کے سوا سب نے منہ موڑ لیا۔

۱۷۔ ایک پیشین گوئی

اسی پریشانی میں ایک روز متردد و متفکر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پنجابی رمّال آ گیا اور اس نے اُن سے فرمائش سوال کی! انھوں نے پہلے تو انکار کیا۔ بالآخر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر پانسہ ہاتھ میں لیا اور پھینکا۔ رمال نے

حساب لگا کر پیشین گوئی کی کہ آپ دو تین روز میں یہاں سے ترقی جانے والے ہیں، اور پانچ سال میں ڈپٹی کلکٹر ہو جائیں گے۔

۱۸۔ سررشتہ داری کمشنری

خدا جانے وہ رمّال تھا یا فرشتہ رحمت جسے خداوند کریم نے اُن کی دل دہی و دل جوئی کے لئے اس لباس میں بھیجا تھا۔ اُن کے دل کو ایک گونہ تسکین ہوگئی لیکن بہ تقاضائے بشریت وہ کبھی کبھی بے حد پریشان ہو جاتے اور یہ کہہ کر اپنے دل بے قرار کو سمجھاتے تھے ؎

بے گانگیٔ خلق سے بے دل نہ ہو غالبؔ
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

یکایک دریائے کرم ایزدی جوش میں آیا، اس مصیبت کو دو دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ مرقومہ بالا پیشین گوئی معیار صداقت پر پوری اُتری اور خان بہادر مولوی نہال الدین احمد صاحب جو قاضی صاحب کے عزیز و سررشتہ دار کمشنری فیض آباد تھے۔ تحصیلدار ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنے عہدے کے لئے قاضی صاحب کی سفارش کی اور چوں کہ کرنل پرکنس، ہیجر لو اور ہیجر ہیسٹنگز وغیرہ اُن کے متعلق اچھے نوٹ اور بہترین سفارشات چھوڑ گئے تھے اس لئے مسٹر کوپن کمشنر فیض آباد نے قاضی صاحب کو اپنا سررشتہ دار مقرر کر دیا اور گرگ صاحب کو تار دیا۔

"عزیز الدین احمد کو فوراً ہدایت کر دیجئے کہ وہ فیض آباد روانہ ہو جائیں میں نے ان کو اپنا سررشتہ دار مقرر کیا ہے"۔

گرگ صاحب نے اس موقع پر بھی اپنی برہمی طبع کا ثبوت دیتے ہوئے اُن کی مخالفت کی اور جواباً کمشنر کو تار دیا۔

"عزیز الدین احمد کم عمر اور نا تجربہ کار ہیں۔ اتنے بڑے ذمہ داری کے عہدے"

کے قابل نہیں ہیں۔ کسی اور آدمی کو منتخب کیجیے"۔

مگر کمشنر صاحب نے پھر تار دیا "عزیز الدین احمد کو فوراً بھیج دو"۔

آخر کار صاحب موصوف نے بادلِ ناخواستہ قاضی صاحب کے پاس حکم بھیجا "فوراً فیض آباد روانہ ہوجاؤ"۔

اس واقعہ کی سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ دوست خوش ہوئے اور حاسدین کو ٹلوں پر لوٹنے لگے۔

۱۹۔ پرتاب گڑھ سے روانگی

۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۲ء تک چار سال پرتاب گڑھ میں رہ کر قاضی صاحب فیض آباد روانہ ہوئے ان کو پرتاب گڑھ اور وہاں کے احباب کے چھوٹنے کا بہت افسوس ہوا۔ اُن کو وہاں کے چپہ چپہ سے الفت تھی مگر سررشتہ داری کمشنری نے جو اُن کے خیال میں اُن کی ترقیات کا پیش خیمہ اور علوئے درجات کا زینہ تھی اُن کی ڈھارس بندھائی اور وہ باچشم پرنم وہاں سے روانہ ہوگئے ؎

بوقتِ لقمہ خوردن اے مسرت گفت لبہایم
"کہ روزی می کند از ہم جدا یارانِ ہمدم را"

احبابِ پرتاب گڑھ نے بصد حسرت ویاس خلوصِ دل کے ساتھ اُنھیں "خدا حافظ" کہا۔

۲۰۔ لارڈ رپن کا دربار اور تعلقداران کی دعوت میں قاضی صاحب کی شرکت

فیض آباد پہونچ کر قاضی صاحب نے سررشتہ داری کا کام اس حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ مسٹر کوہن کے دل پر اُن کی حسنِ کارگزاری کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ اُن کو بجد عزیز سمجھنے لگے حتیٰ کہ لارڈ رپن نے جو کہ ہندوستانیوں کے شریکِ حکومت بنانے' لوکل سیلف گورنمنٹ کے قائم کرنے اور البرٹ بل

پاس کرانے کے بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے وائسرایوں میں سب سے پہلے انھیں نے ہندوستان کی سیاسی ترقی کی بنیاد رکھی تھی۔ جب لکھنؤ میں بڑی دھوم دھام سے دربار کیا اور مسٹر کوئن بھی لکھنؤ گئے تو وہ انھیں اپنے ساتھ لیتے گئے اور درباریانِ قسمت فیض آباد کے "دعوت ناموں" کی تقسیم ان ہی کے سپرد کردی اور ایک "دعوت نامہ" خود ان کو مرحمت کیا اور تعلقداران اودھ کی دعوت میں شرکت کی اجازت دی، جس سے قاضی صاحب کے اعزاز و وقار کا جو کمشنر صاحب موصوف کے دل میں تھا پتہ چلتا ہے۔

۲۱۔ تحصیلداری میں نامزدگی و اجازت امتحان

کمشنر صاحب موصوف ان سے اس قدر خوش تھے کہ انھوں نے باوجود ان کی کم سنی اور تھوڑی سی ملازمت کے انھیں تحصیلداری کے واسطے نامزد کرا کر امتحان کی اجازت دلادی۔

۲۲۔ صیغۂ مال اور ہندی کے امتحان میں کامیابی

مسٹر کوئن کے بعد مسٹر ایم ایل فرار کمشنر فیض آباد مقرر ہوئے۔ یہ ان شریف خاندان، بافیض اور بامروت انگریزوں میں سے تھے جنھوں نے تلوار کی بجائے احسانات اور سختی کی جگہ حسنِ اخلاق سے دولت برطانیہ کے ابتدائی عہد میں اس کی بنیادوں کو مستحکم و مضبوط کیا تھا صاحب موصوف عربی، فارسی، سنسکرت، اردو اور ہندی کے عالم تھے اور ان کا اخلاق شہرۂ آفاق تھا۔ مسلمانوں سے خاص طور پر محبت رکھتے تھے اور چوں کہ ضلع سیتاپور میں عرصہ تک اسسٹنٹ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے اس وجہ سے قاضی صاحب کے مرحوم والد صاحب سے بخوبی واقف تھے وہ کچھ تو ان کے والد کی شناسائی اور کچھ خود قاضی صاحب کے جوہر ذاتی کی بنا پر ان سے بہت خوش تھے اور ان کی بیحد قدر کرتے تھے۔ انھیں کے مبارک عہد میں قاضی صاحب نے پہلے پہل امتحان دیا اور صیغۂ مال و ہندی میں پاس ہو گئے۔

۲۳- قاضی صاحب کا اعتبار

مسٹر فرار کے بعد جی الیف لمسڈن صاحب کمشنر ہو کر آئے جو بحد قابل مگر سخت مزاج اور خشک آدمی تھے وہ قاضی صاحب اور اُن کی حسن کارگزاری پر بہت اعتماد کرنے لگے تھے حتیٰ کہ جب اُن کے زمانہ میں قاضی صاحب کو جی الہ آباد کی سررشتہ داری ملی تو اُنھوں نے اُن کی جدائی گوارا نہ کی اور جب وہ ٹمٹم سے گر کر مضروب ہوئے اور چھٹی نہ لینا چاہی تو لفٹنٹ گورنر سے اجازت لے کر اپنی نگرانی میں تمام کام مثل انگریزی ڈاک انتظامی معاملات سشن کے مقدمات اور مال کے مرافعہ جات وغیرہ وغیرہ کے سب قاضی صاحب ہی سے لیتے رہے گو اُس زمانہ میں قاضی صاحب کو دم لینے کی مہلت نہ ملی مگر اُن کی لیاقت اور عام واقفکاری میں بہت ترقی ہو گئی جو آگے چل کر اُن کے بہت کام آئی۔ مسٹر لمسڈن فیض آباد سے بنارس تبدیل ہوئے چلتے وقت قاضی صاحب بڑی محبت کے ساتھ رخصت ہوئے اور اسٹیشن پر سب کے سامنے زمانہ علالت کی امداد کا شکریہ ادا کیا۔ اُن کی جگہ پھر مسٹر فرار کمشنر فیض آباد ہو کر آ گئے۔

۲۴- کجروی فلک

۱۸۸۴ء میں مولوی نہال الدین احمد تحصیلدار گونڈہ ڈپٹی کلکٹر ہو گئے اور مسٹر وائٹ ڈپٹی کمشنر گونڈہ نے مسٹر فرار کمشنر فیض آباد کی تحریک پر قاضی صاحب کو تحصیلدار گونڈہ مقرر کر دیا یہ عجب اتفاق تھا کہ قاضی صاحب مولوی نہال الدین احمد ہی کی جگہ پر سررشتہ دار کمشنری ہوئے تھے اور انھیں کی جگہ پر تحصیلدار مقرر ہوئے اسی زمانہ میں مسٹر فرار کمشنری سے واپس ہونے والے اور کرنل فاربس مستقل کمشنر ہو کر فیض آباد آنے والے تھے۔ کرنل فاربس صاحب کا قاضی صاحب کے والد سے گونڈہ میں بہت سابقہ پڑ چکا تھا اور دونوں کے تعلقات اچھے نہ تھے مسٹر فرار نے یہ کیا

کہ جب وہ کمشنری کا چارج چھوڑیں اس دن قاضی صاحب بھی تحصیلداری پر جائیں اس لئے قاضی صاحب گونڈہ نہ پہونچے تھے کہ کرنل فاربس فیض آباد آگئے۔ جیسے ہی قاضی صاحب اُن سے ملنے گئے کرنل فاربس نے قاضی صاحب کی کم عمری پر اعتراض کیا اور کہا تم ابھی تحصیلداری کے لائق نہیں ہو۔ اور اُنھوں نے اپنے پیش رو کے حکم کو مسترد کرنا چاہا مسٹر وائٹ نے اپنے اور مسٹر فرارہ کے انتخاب پر اصرار کیا۔ اس طرح دو کمشنروں اور ایک کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے مابین سخت مخالفت پیدا ہوگئی۔ معاملہ نے طول کھینچا اور قصہ لفٹنٹ گورنر تک جا پہونچا۔

۲۵۔ نائب تحصیلداری

اس زمانہ میں ہز آنر سر الفرڈ لائل جیسے صلح پسند مدبر صاحب صوبہ تھے۔ حضور ممدوح نے ازراہ مصلحت حکم دیا۔

"ان کو ۶ ماہ تک اسی ضلع میں بطور نائب تحصیلدار رکھ کر کام سکھایا جائے اور بعد گزرنے مدت مذکور کے جو تحصیلداری قسمت فیض آباد میں خالی ہوئے دیدی جائے"

اس طرح کام بھی ہوگیا اور ہر افسر کی ضد بھی قائم رہ گئی۔ قصہ مختصر وہ صدر تحصیل فیض آباد کے نائب تحصیلدار بنا دئیے گئے ؎

نہ تیزی کچھ چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

۲۶۔ ملازمت حیدرآباد کا خیال

وہ اس فیصلہ اور گرگ صاحب کی نظیر یعنی موجودہ کمشنر فیض آباد کے اس دل شکن سلوک سے اس قدر شکستہ خاطر ہوئے کہ اُنھوں نے یہ طے کرلیا کہ وہ ترک ملازمت کر کے حیدرآباد چلے جائیں اور اپنے عزیز نواب فتح نواز جنگ شیخ مہدی حسن صاحب مرحوم کے توسط سے وہاں کوشش کریں

نواب صاحب موصوف اور سید اقبال علی صاحب جج ہائی کورٹ حیدرآباد اُن کو کئی دفعہ بلا بھی چکے تھے مگر پھر بُعد وطن گوارا نہ کیا اور کچھ سوچ سمجھ کر رہ گئے۔

۲۷۔ سررشتہ داری کمشنری پر واپسی جب مدت معینہ منقضی ہونے میں دو ہفتہ باقی تھے تو ایک تحصیلداری خالی ہوئی مگر کمشنر صاحب نے یہ وجہ قائم کر کے کہ مدت معینہ پوری نہیں ہوئی کسی دوسرے شخص کو ترقی دے دی۔ آخر کار اُنھوں نے مایوس ہو کر اپنی جگہ پر واپسی کی درخواست کی جو کمشنر صاحب نے جبراً قہراً منظور کر لی اور پھر سررشتہ داری پر بے لطفی تمام صاحب موصوف کے ساتھ وقت گزارنے لگے۔

۲۸۔ تحصیلداری قاضی صاحب نے مسٹر لمسڈن کمشنر فیض آباد کو سب حالات لکھے اور ترک ملازمت گورنمنٹ کا ارادہ ظاہر کیا۔ لمسڈن صاحب نے ڈپٹی کمشنر فیض آباد سے نجی طور پر کرنل فاربس صاحب کی بدسلوکی کی تصدیق کی اور اُنھوں نے اپنی کمشنری کے ضلع بستی میں ان کو تحصیلدار مقرر کر دیا۔ مسٹر ولسنٹ اسمتھ اس زمانہ میں بستی کے کلکٹر تھے وہ بہت پُرانے خیالات کے آدمی تھے اور انگریزی وضع و لباس ہندوستانیوں کے واسطے مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب قاضی صاحب بستی پہونچے مسٹر اسمتھ نے دیکھتے ہی کہا کہ مجھ کو لمسڈن صاحب نے بڑا دھوکا دیا۔ میں قاضی عزیز الدین احمد کے نام سے یہ سمجھا تھا کہ کوئی عمر رسیدہ ہندوستانی وضع کا "سلمان جنٹلمین" جس کی ریش دراز ہوگی اور جبہ قبا و عمامہ سے مزین ہوگا تحصیلدار ہو کر آرہا ہے میں یہ نہ سمجھا تھا کہ ایک نوعمر اور طفل مکتب سے سابقہ پڑے گا۔ قاضی صاحب نے فوراً جواب دیا کہ اگر میں آپ کو ناپسند ہوں تو فوراً واپس جانے کو تیار ہوں ملک خدا تنگ نیست۔ اسمتھ صاحب نے کہا "نہیں نہیں ہم آپ کو واپس کرنا نہیں چاہتے امتحاناً کام لیں گے"۔ تھوڑے ہی دنوں میں اسمتھ صاحب آپ کے کام اور

ایمان داری سے بیحد خوش ہو گئے چنانچہ منشی تفضل حسین صاحب بستی میں ایک بڑے باثر سرشتہ دار کلکٹری تھے انھوں نے ایک موقع پر قاضی صاحب کو لکھا تھا ؎

ناتواں تو ہے مگر تیرے قلم میں زور ہے

تمام ضلع میں قاضی صاحب کی قابلیت کی دھوم مچ گئی

۲۹۔ جشن جوبلی کا اہتمام اور اس کی یادگار

سنہ ۱۸۸۶ء میں وہ مرزا پور تبدیل ہو کر حضور تحصیل میں تعینات ہوئے اسی زمانہ میں علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند آنجہانی کی جبلی کے جشن کا اہتمام حکام ضلع نے ان کے سپرد کیا۔ انھوں نے بہت کافی چندہ جمع کیا اور رات دن سخت محنت و جانفشانی سے کام لے کر اس شاہی تقریب کو اس حسن و خوبی کے ساتھ تکمیل پر پہونچایا کہ مرزا پور کا سا جشن کہیں اور نہ ہو سکا۔ انھوں نے بابو بینی مادھو کو مشورہ دے کر یادگار جشن میں ایک اسکول بھی قائم کرا دیا بابو صاحب موصوف نے اسکول کے اخراجات کے واسطے نقد لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کرنے کے علاوہ ایک بنگلہ بھی وقف کیا تھا۔ مسٹر جارج ڈپٹی کلکٹر آپ سے بہت رضامند تھے

۳۰۔ حکام ضلع کی نظر میں قاضی صاحب کی وقعت اور ان کی خیر سگالی

اسی زمانہ میں ان کے چھوٹے بھائی خان بہادر قاضی خلیل الدین احمد مرحوم وزیر اعظم بجاور (بندیلکھنڈ) نے مشن اسکول سے انگریزی مڈل پاس کیا مسٹر ڈیل کلکٹر مرزا پور نے ان کا نام گزٹ میں دیکھتے ہی چپراسی سے ان کے متعلق دریافت کیا اور جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ وہ قاضی عزیز الدین احمد کے بھائی ہیں۔ فوراً قاضی صاحب کو چھٹی لکھ کر مرحوم کو بلا بھیجا۔ ہر چند قاضی صاحب اصرار کرتے رہے کہ سلسلۂ تعلیم جاری رہنے دیا جائے مگر

صاحب موصوف نے ایک زمانی اور قاضی خلیل الدین احمد صاحب مرحوم کو تحصیل پڈرونس گنج میں نائب تحصیلدار مقرر کر دیا۔

سر سید سے ملاقات مرزاپور کی تعیناتی کے زمانہ میں ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو بمقام لکھنؤ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا اور سر سید مرحوم نے منشی امتیاز علی وکیل کی امداد و اعانت سے ایک بہت بڑا جلسہ قیصر باغ میں منعقد کیا۔ اسی زمانہ میں ہندوؤں نے الہ آباد میں بڑے دھوم دھام سے کانگریس کا جلسہ کیا تھا۔ سر سید مرحوم نے کانگریس کے خلاف ایک لیکچر دینے کا اعلان کیا۔ جس دن یہ لیکچر ہونے والا تھا ہزارہا آدمی اس کے اشتیاق میں قیصر باغ کی بارہ دری میں جمع ہو گئے تھے قاضی صاحب بھی لیکچر سننے کیلئے لکھنؤ پہنچے اور وہاں موجود تھے۔ انھیں یہ خیال ہوا کہ اگر سر سید کی تقریر کو قلمبند کر لیا جائے تو اخبار نویس احباب کو نقلیں بھیجی جا سکتی ہیں۔ خواجہ محمد یوسف صاحب وکیل علی گڑھ مولوی محمد احمد خاں صاحب سب جج سیتاپور اور سید محمد میر صاحب وکیل میرٹھ حسب منشاء سر سید مرحوم تقریر قلمبند کرنے کے لئے تجویز ہوئے تھے۔ قاضی صاحب رپورٹروں کے غول میں ایک کرسی پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے ٹھیک ۹ بجے لیکچر شروع ہوا اور بغیر کسی تحریری یادداشت کے سید مرحوم نے ۲½ گھنٹہ کامل تقریر کی عجیب حیرت انگیز سماں تھا ایک دریا تھا کہ خود بخود لہراتا چلا جا رہا تھا جو جو باتیں سید مرحوم نے اس تقریر میں فرمائی تھیں وہ آج حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہیں ۱۱½ بجے لیکچر ختم ہوا۔ قاضی صاحب پنسل سے لکھی ہوئی یادداشت لے کر اپنے جائے قیام پر چلے آئے۔ دوسرے روز دس بجے دن کو ایک صاحب سر سید مرحوم کی جانب سے قاضی صاحب کو بلانے آئے۔ یہ فوراً پہونچے۔ جاتے ہی سید صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ سید صاحب نے دریافت کیا "میاں صاحبزادہ تم نے بھی میری اسپیچ کچھ لکھی تھی؟" انھوں نے عرض کیا "کچھ نہیں بلکہ پوری اسپیچ لکھوالی ہے۔ سید صاحب

نے گاڑی دے کر فرمایا "جاکر اپنے لکھے ہوئے اوراق لے آئیے"۔ یہ دو منٹ میں بنڈل لے کر واپس آگئے۔ یہاں خواجہ یوسف شاہ۔ سید محمد احمد اور سید محمد منیر اپنی لکھی ہوئی یادداشتوں کو صاف کرا رہے تھے اور سید صاحب منغّض ہو کر بار بار فرماتے تھے "یہ تو میری اسپیچ نہیں خدا جانے آپ لوگوں نے کیا لکھ لیا ہے"۔ اب سید صاحب نے قاضی صاحب سے اُن کی قلمبند کی ہوئی اسپیچ سننا شروع کی اُنھوں نے ان الفاظ تک کو جو دو دو مرتبہ سید صاحب نے فرمائے تھے دو مرتبہ درج پر وغیرہ سب لکھے تھے۔ دو صفحہ سن کر سید مرحوم فرطِ محبت سے کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب کو گلے سے لگالیا اور فرمایا "بھائی تم نے میری اسپیچ زندہ کر دی"۔ اس روز شام تک یہ سید صاحب کے پاس رہے اسپیچ نقل کرائی اور مسٹر بک کو اُس کے انگریزی ترجمہ میں مدد دی۔ بک صاحب نے بذریعہ تار انگریزی ترجمہ شدہ اسپیچ انگلستان بھیجی اور اصل تقریر ہندوستان کے جملہ اخبارات کو بھیجی گئی اس طرح وہ اسپیچ اردو انگریزی کے تمام موقر اور معزز جرائد میں دوسرے روز شائع ہو گئی۔ سرسید اور مسٹر بک نے ازراہ قدردانی تمام اخبارات میں یہ بھی شائع کرایا کہ سید صاحب کی تقریر قاضی عزیز الدین تحصیلدار مرزاپور نے قلم برداشتہ لکھ لی تھی جس سے انگریزوں میں قاضی صاحب کی خاص شہرت ہو گئی۔

۳۲۔ لفٹنٹ گورنر کی داد

اس واقعہ کے چند روز بعد قاضی صاحب اور سر آکلینڈ کالون لفٹنٹ گورنر یو پی سے ملاقات ہوئی تو موصوف نے انھیں اُن کی زود نویسی کی بہت داد دی۔

۳۳۔ سرسیّد کی قدردانی

سرسید مرحوم ان پر اس قدر مہربان ہو گئے تھے کہ اس واقعہ کے بعد وہ اپنے آخر دم تک جب کبھی کانفرنس یا جلسے میں جاتے تو قاضی صاحب کو ضرور ساتھ لے جاتے اور قاضی صاحب اُن کی تقریریں قلمبند کیا کرتے تھے اور جب وہ

تقریریں شائع کرتے تو قاضی صاحب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے تھے اور اس شکریہ کو رپورٹوں میں درج کر دیتے تھے۔

۳۴۔ عارضی ڈپٹی کلکٹری

۱۸۸۸ء میں مسٹر ڈبل کلکٹر مرزاپور کی سفارش پر وہ قایم مقام ڈپٹی کلکٹر ہو کر جون پور متعین کیے گئے جہاں اُن کو محض اُن کی قابلیت کے اعتماد پر کلکٹر صاحب نے صدر تحصیل و شہر کا چارج دے دیا حالانکہ ان دنوں یہ کام جنٹ مجسٹریٹ کے سپرد رہا کرتا تھا۔

۳۵۔ امتحان ڈپٹی کلکٹری میں کامیابی

اسی سال ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں گئے اور اول نمبر پاس ہوئے۔

۳۶۔ تحصیلداری پر واپسی

اس زمانہ میں اکتوبر نومبر میں یورپین افر رخصت سے واپس آیا کرتے تھے اور اُن کی واپسی پر قائم مقام ڈپٹی کلکٹر اپنی جگہوں پر واپس کیے جایا کرتے تھے۔ قائم مقام ڈپٹی کلکٹروں کو یہ رجعت قہقری برسوں کرنا پڑتی تھی اور باوجودیکہ اس کے خلاف اکثر اخبارات میں اعتراض و احتجاج ہوئے مگر احتراز نہ ہوئے۔ خود قاضی صاحب نے بھی پاینر میں کئی مرتبہ مضامین لکھے۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ غرض یہ بھی اس وبائے عام سے نہ بچ سکے اور نومبر ۱۸۸۸ء میں پھر اپنی اصلی جگہ تحصیلداری صدر تحصیل مرزاپور پر واپس ہوئے۔

۳۷۔ مکرر ڈپٹی کلکٹری و استقلال

جنوری ۱۸۸۹ء میں اُن کو پھر قائم مقام ڈپٹی کلکٹری دی گئی اور جون پور ہی میں متعین کیے گئے۔ اسی سنہ میں مرزاپور تبدیل ہوئے اور ۱۸۹۰ء میں گڈھوال ہو، وہاں ضلع کا چارج لیا۔ گڈھوال کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور بڑی مشکل سے رخصت لے کر وہاں سے اپنا تبادلہ کرایا۔ ۱۸۹۲ء میں

"پراونشیل سروس" میں مستقل ہوئے۔

۳۸۔ قیام نمائش سنہ ۱۹۰۳ء میں جونپور تبدیل ہوئے اور وہاں نمائش قائم کرائی جو اب تک اُن کی زندہ یادگار ہے۔

۳۹۔ بگشنر و ایجنٹ گورنر جنرل کی پرسنل اسٹنٹی انتظام سیلاب سپرنٹنڈنٹی جیل اور مہتمم بندوبست سنہ ۱۸۹۴ء میں تین سو کے گریڈ میں ترقی ہوئی اور اسی سال پرسنل اسٹنٹ کمشنر و ایجنٹ گورنر جنرل بنارس مقرر ہوئے۔ اسی سنہ میں دریائے گومتی میں سیلاب آیا اور بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے اور ہزار ہا روپیہ چندہ جمع کرکے مصیبت زدگان سیلاب کی پرورش کی جس کے واسطے رینالڈس نے خاص طور پر شکریہ ادا کیا۔ فروری سنہ ۹۴ء میں چار سو کے گریڈ میں ترقی پاکر بارہ بنکی تعینات ہوئے جہاں سنہ ۹۵ و ۹۶ء میں علاوہ اپنے فرائض ڈپٹی کلکٹری کے سپرنٹنڈنٹ اور مہتمم بندوبست کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

۴۰۔ پرنسپل علی گڑھ کالج کی معاونت سنہ ۱۸۹۸ء میں جب سر سید احمد خاں مرحوم کا انتقال ہوا اور علی گڑھ کالج کی حالت نازک ہوئی تو سر جیمز لاٹوش لفٹنٹ گورنر نے خاص طور پر قاضی صاحب کو علی گڑھ تبدیل کیا جہاں اُنھوں نے مسٹر تھیوڈور بیک مشہور پرنسپل علی گڑھ کالج کو کالج کے معاملات کے سلجھانے میں خاص طور پر مدد دی۔

۴۱۔ محکمۂ زراعت کی اسٹنٹ ڈائرکٹری اور مخصوص ترقی سنہ ۱۸۹۹ء میں قاضی صاحب اسٹنٹ ڈائرکٹر محکمۂ زراعت صوبجات متحدہ مقرر ہوئے اور اسی سنہ میں بصلۂ حسن خدمات خاص طور پر سات سینیر افسروں پر ترجیح دے کر حکومت نے ڈپٹی کلکٹری کے اسپشل پروموشن یعنی پانچ سو کے گریڈ پر ترقی دی۔

۴۲۔ کار خاص پر تعیناتی محکمۂ زراعت سے واپسی پر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء میں کار خاص پر بندوبست

تعینات ہوئے۔

۴۳۔ بلند شہر کی قائم مقام کلکٹری

مئی سنہ ۱۹۰۲ء میں "اسپیشل ڈیوٹی" سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ ضلع بلند شہر کے قایم مقام مجسٹریٹ و کلکٹر بنائے گئے۔

۴۴۔ ڈپٹی کلکٹری پر واپسی و ترقی

جون سنہ ۱۹۰۳ء میں فیض آباد تبدیل ہوئے اور جون سنہ ۱۹۰۶ء میں ڈپٹی کلکٹری کے سات سَو والے گریڈ میں ترقی پائی۔

۴۵۔ امیر کابل کی معیّت

دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں بحکم گورنمنٹ آف انڈیا ہز مجسٹی امیر افغانستان مرحوم کے ساتھ تعینات ہو کر مارچ سنہ ۱۹۰۷ء تک اُن کے ہمرکاب رہے

۴۶۔ تعیناتی مرادآباد اور رائل کمیشن کی ممبری

اور اسی تعیناتی کے زمانہ میں سر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر نے "رائل ڈی سینٹر لیزیشن کمیشن" کے لئے آپ کو رکن منتخب کیا۔ اس کمیشن کے انعقاد کا منشا تقسیم اختیارات تھا۔ قاضی صاحب کی پیش کردہ تجاویز قریب قریب سب مقبول ہوئیں۔

۴۷۔ ڈویزنل افسری حصہ کاشی پور

نومبر سنہ ۱۹۰۹ء میں "سب ڈویزنل آفیسر" حصہ ضلع کاشی پور مقرر ہوئے

۴۸۔ ریویو ممبری بھرت پور کونسل

سنہ [illegible]ء میں بھرت پور کونسل کے "ریونیو ممبر" ہو گئے اور وہاں بہت سی اصلاحات کیں۔

۴۹۔ پریس کیمپ دہلی کی انچارجی

سنہ ۱۹۱۱ء میں "افسر انچارج پریس کیمپ" دہلی بہ موقع تشریف آوری شہنشاہ جارج پنجم مقرر ہوئے۔

۵۰۔ جوڈیشیل نشتری دھولپور

اگست سنہ ۱۹۱۳ء میں "جوڈیشیل منسٹر" دھولپور ہوئے جہاں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

۵۱۔ ملٹری کیمپ انچارج

سنہ ۱۹۲۲ء میں بموقع تشریف آوری حضور ولیعہد بہادر (پرنس آف ویلز) اور ڈیوک آف کناٹ دہلی اور اجمیر میں "پریس کیمپ" کے "انچارج" مقرر ہوئے

۵۲۔ سرکاری ملازمت سے پنشن اور وزارت دتیا میں

اسی سنہ میں گورنمنٹ سے عزت کے ساتھ پنشن پائی اور ریاست دتیا کی طلب پر مہارانا دھولپور نے آپ کی خدمات مستعار طور پر مہاراجہ صاحب دتیا کو پیش کر دیں۔ اور آپ دھولپور و دتیا دونوں ریاستوں کی وزارت کا کام نہایت بیدار مغزی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

۵۳ وزارتِ دتیا

کچھ ہی زمانہ کے بعد مہاراجہ صاحب بہادر دتیا نے آپ کی خدمات کو اپنے لئے مفید اور ضروری تصور کیا اور پولیٹیکل ایجنٹ کو زور دے کر قاضی صاحب کی خدمات مستقل طور پر دتیا کے لئے حاصل کر لیں جہاں آپ آج تک نہایت خلوص، خیر خواہی، دینداری اور دانائی کے ساتھ وزارت کے کاروبار انجام دے رہے ہیں اور ریاست دتیا آپ کے زیر سایہ معراجِ ترقی پر گام زن ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

۵۴۔ امپیریل اوپیم کمیشن کی رکنیت

سنہ ۱۹۲۳ء میں امپیریل گورنمنٹ نے آپ کی دانشمندی اور زریں آرا پر اعتماد کر کے آپ کو اوپیم کمیشن کا رکن مقرر کیا تھا۔ لارڈ اِرون نے اپنی اسپیچ میں یہ ظاہر فرمایا تھا کہ اس کمیشن میں ریاست ہائے ہند کی طرف سے ایک ایسا ممبر مقرر کیا جائے جس پر والیانِ ملک کا اعتماد اور گورنمنٹ آف انڈیا کا بھی بھروسہ ہو۔ قاضی صاحب کا انتخاب کل ہندوستانی ریاستوں کے وزراء میں سے خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔ اسی وقت قاضی صاحب کے برادر عزیز خان بہادر قاضی خلیل الدین صاحب وزیر اعظم بھوپال کا انتقال ہوا تھا اور جس کی وجہ سے قاضی صاحب نے کمیشن کی ممبری سے انکار کر دیا لیکن سر جان تھامس اور گورنمنٹ کے اصرار پر بالآخر آپ کو مجبور ہونا پڑا اور باوجودیکہ یہ ایک غیر دلچسپ

کام تھا لیکن آپ نے لطیب خاطر اس کی انجام دہی کو گوارا کیا اور ہندوستان بھر کا سفر کر کے باحسن وجوہ اس فرض کو انجام دیا - مسٹر لوپ پریسیڈنٹ کمیشن نے رپورٹ میں آپ کی خاص تعریف لکھی۔

تاریخ دنیا کی ترتیب[۵۵] حسب بیان "السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا" مورخہ ۳ مارچ ۱۹۲۹ء آج کل آپ علاوہ خدمات وزارت کے ایک مشہور اہل قلم انگریز کی معیت میں ریاست دنیا کی مصورہ تاریخ بھی نظم بند فرما رہے ہیں۔

اب ہم قاضی صاحب کی معیت سیاحت امیر کابل، ملازمت ریاست ہائے ہند، جنگی، ادبی مذہبی و قومی خدمات، سیاسی عقاید، اعزاز و خطابات اور شخصیت، خصایل اور حادات کا تذکرہ مفصل اور جداگانہ ابواب میں کرتے ہیں۔
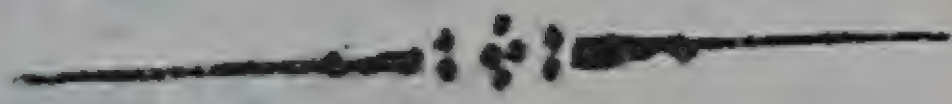
جلسۂ الوداعی مرادآباد (یو - پی)

خان بہادر نواب قاضی عزیزالدین احمد صاحب بالقابہ - داھنی جانب سے چوتھی کرسی پر رونق افروز ھیں

باب سوم[۳]

اعلیحضرت امیر حبیب اللہ خاں مرحوم بادشاہ افغانستان کی سیاحت ہند

اور

قاضی صاحب کی بیعت

قاضی صاحب کے حُسن لیاقت، حسن انتظام، حسنِ اخلاق، حسنِ عمل، موقع شناسی و زود فہمی کا نقش ہمیشہ انگریز حکام کے دلوں پر جما رہا۔ آپ کی برٹش گورنمنٹ کے ساتھ بہ خلوصِ دل خیر خواہی نے ہمیشہ ان نقوش کو اور اُجالا اور یہی اُمور آپ کی غیر معمولی ترقیات کا باعث ہوتے رہے اور اکثر اعلیٰ خدمات بے طلب آپ کے سپرد ہوتیں اور بآحسن وجوہ انجام پاتی رہیں۔ اس سلسلہ میں ۱۹۰۶ء خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

بظاہر ایک ناممکن الوقوع پیشین گوئی[۱]

ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ الور کے کسی جوتشی نے سنہ مذکور کا زائچہ بنا کر قاضی صاحب کے پاس بھیجا تھا اور اس میں پیش گوئی کی تھی کہ اس سال آپ کو من جانب گورنمنٹ ۲ دو مرتبہ ترقی تنخواہ ہوگی اور ۲ دو مرتبہ اعزاز میں اضافہ ہوگا۔ ابتداءً یہ پیشین گوئی خوشامدانہ پیشین گوئی سمجھی گئی، کیونکہ حکومتِ برطانیہ میں کسی شخص کا سال میں ۲ دو مرتبہ ترقی یا ۲ دو مرتبہ خطاب پانا قریب قریب ناممکن ہے لیکن قاضی صاحب کی خوش نصیبی اور بااقبالی کہیے یا اس جوتشی کی ہنر مندی کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہی ثابت ہوئی اور مسٹر ٹھہری ڈابز[۵] جو ۱۹۰۵ء میں ڈپٹی کمشنر بارہ بنکی

[۵] اس زمانہ میں آپ سر ٹھہری ڈابز سابق ہائی کمشنر عراق کے نام سے موسوم ہیں ۱۲

تھے اور جن سے قاضی صاحب سے خاص اور گہرے مراسم تھے ۱۹۰۷ء میں امیر افغانستان کی "سیرِ ہندوستان" کے مہتمم قرار پائے۔ سر ہنری مکموہن اس سیاحت کے "ناظم" اور صاحب موصوف اُن کے "معین اعلیٰ" تھے۔

معیت امیر صاحب کے لئے قاضی صاحب کا انتخاب

جس وقت دیگر حکام کا معاونت کے لئے انتخاب ہونے لگا تو مسٹر ڈابز کو اپنے دیرینہ ساتھی قاضی عزیز الدین احمد صاحب کی یاد آئی اور اُنھوں نے منجملہ دوسرے افسران کے قاضی صاحب کو بھی انتخاب کر کے امیر صاحب کی معیت کے لئے نامزد کیا۔ اس سال جون میں قاضی صاحب کو خطاب خان بہادر اور ۶۰۰ روپیہ کا گریڈ مل چکا تھا، اکتوبر میں حکومت ہند کے حکم سے وہ امیر صاحب کے ساتھ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر بطور اُلطاشی (اتاچی) تعینات کئے گئے اور اسی سال سر جیمس لاٹوش صاحب لفٹنٹ گورنر صوبۂ متحدہ نے انھیں الہ آباد یونیورسٹی فیلو بنا دیا۔ اس طرح وہ پیشنگوئی پوری ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں الہ آباد یونیورسٹی کی "فیلوشپ" اعزاز کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اور ہر "فیلو" اپنے نام کے ساتھ "ایف اے یو" لکھنے کا مستحق تھا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

امیر افغانستان کی تشریف آوری ہندوستان کے سیاسی حلقوں میں بہت اہمیت رکھتی تھی حکومت ہند نے بھی کوئی دقیقہ شاندار مہمان داری کا اس موقع پر اٹھا نہیں رکھا تھا پشاور، آگرہ دہلی، بمبئی اور کلکتہ میں خاص طور پر امیر صاحب کی مدارات کے واسطے انتظامات کئے گئے تھے چھ انگریز پولٹیکل افسر (یعنی کرنل ڈرمنڈ۔ کرنل ریمزے۔ کرنل فیلڈ۔ میجر برک۔ میجر ڈیوک اور مسٹر ملگنس) اور چھ ہندوستانی (آغا میر شمس شاہ۔ خان بہادر مولا بخش۔ نواب سر عمر حیات خاں ٹوانہ۔ فقیر افتخار الدین۔ مولوی فخر الدین اور خان بہادر قاضی عزیز الدین) منتظمان مہمانداری تھے۔ ان کے علاوہ چند اسسٹنٹ اور تھے اور خاص خاص مقامات پر مقامی افسران و حکام بھی امداد کرتے تھے۔

اُس زمانہ میں لارڈ منٹو ویسرائے اور لارڈ کچنر آنجہانی کمانڈر انچیف تھے۔ امیر صاحب کے ساتھ تقریباً آٹھ دس ہزار آدمی تھے اور جس روز وہ پشاور پہونچے ہیں ان کی تمام فوج اور تمام ملازمین ساتھ تھے پشاور کے بعد اُن کا قیام آگرہ میں ہوا اور یہاں لارڈ منٹو نے قریب قریب اُسی پیمانہ پر انتظام کیا جیسا کہ دربار قیصری ۱۹۰۳ء کے موقع پر لارڈ کرزن آنجہانی نے دہلی میں کیا تھا۔ فرق اس قدر تھا کہ لارڈ کرزن کے دربار کا سا مجمع نہ آج تک کبھی ہوا ہو اور آیندہ ہونے کی امید ہے مگر آگرہ میں بھی اس موقع پر لاکھ دو لاکھ آدمیوں سے کم جمع نہ ہوئے تھے بہت سے خود مختار والیان ملک بھی مدعو کئے گئے تھے اور بیشمار برطانی فوج امیر صاحب کو برطانی اقتدار کی نمایش دکھانے کے لئے جمع کی گئی تھی۔ ہندوستان میں بیک وقت اتنا بڑا فوجی جماؤ بھی بجز حضور ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم کی تاج پوشی دہلی کے کبھی نہ ہوا ہو گا۔ ہمیں سیاحت امیر حبیب اللہ خاں صاحب کا مفصل تذکرہ اس باب میں کرنا مدنظر نہیں کیونکہ اس کے متعلق علیحدہ اور مستقل چند در چند کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ اس سفر میں قاضی عزیزالدین صاحب نے باوجود عدم واقفیت اجنبیت کار کے محض اپنی جودت طبع اور فطری ذہانت سے کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دئے۔

۲۔ ایک خاص غلط فہمی اور قاضی صاحب کی موقع شناسی

جس روز امیر صاحب پشاور پہونچے قاضی صاحب کی ڈیوٹی خیمۂ خاص میں تھی اور افسران متعلقہ نے خود امیر صاحب اُن کے ہمراہیوں اور سرداروں کے واسطے پہلے سے خیموں کا انتظام ہر ایک کے درجہ اور رتبہ کے موافق کر رکھا تھا افغانستان سے جو ہمراہیوں کی فہرست آئی تھی اس میں علاوہ سرداروں کے بارہ "غلام بچوں" کے واسطے جائے قیام کی فرمایش کی گئی تھی۔ دربار افغانستان کے اصطلاح میں "غلام بچہ" اُن امیرزادوں کو کہتے ہیں جو دربار شاہی میں بطور پیش خدمت داخل کئے جاتے ہیں اور چند روز بعد جب وہ آئین دربار و

کاروبار سے واقف ہو جاتے ہیں تو فوج اور دیگر محکمہ جات میں اعلیٰ عہدوں پر اُن کا تقرر کیا جاتا ہے یہ عموماً بہت خوش رُو، خوش پوش، خوش گو، خوش اطوار ہوتے ہیں اور اُن کے ساتھ ارکینِ خاندان کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

انگریزی میں جب اس فہرست کا ترجمہ ہوا تو غلام بچہ کا ترجمہ "سلیو بوائے" اور ان کو معمولی خدمت گزار تصور کیا گیا اسی بنا پر بارہ معمولی چھولداریاں اُن کے لئے بھی لگا دی گئیں جس دن امیر صاحب کا پشاور میں داخلہ ہوا ممدوح کو من جانب ملک معظم "ہز مجسٹی" کا خطاب دیا گیا اسی دن اتفاق سے بے حد بارش ہوئی اور بجلی کی روشنی بھی کچھ دیر کے واسطے ساقط ہو گئی جب مہمان اپنے اپنے خیموں میں پہنچ گئے اور "غلام بچگان" کو اپنے لئے عمدہ خیمے نہ دکھائی دئے تو وہ برہم ہوئے اور خود "ہز مجسٹی" کے پاس شکایت کرنے پر آمادہ تھے، ادھر تو بارش کی وجہ سے اسی وقت جدید خیموں کا استادہ کرنا غیر ممکن تھا اُدھر نوجوان افغانی امیر زادوں کے غصہ کا فرو کرنا محال۔

قاضی صاحب کو یہ پہلی مصیبت کا سامنا تھا۔ ڈپٹی کلکٹری میں کبھی یہ مصائب کاہے کو پیش آئے تھے مگر اُن کی غیر معمولی زود رسی معاملہ فہمی اور سوجھ بوجھ نے فوراً کام کیا اور اُنھوں نے فی الفور صاحبزادگان سے مل کر پہلے اپنی مذہبی سیادت اور رتبۂ قضاۃ کا اُن پر سکہ جمایا اور اُس کے بعد اس بدنظمی کی اصل وجہ "لفظ غلام بچہ سے غلط فہمی" کا اظہار کر کے ایک شب کی مہلت مانگی، وہ بیچارے محض قاضی صاحب کی وجہ سے اپنی تکلیف اور مصیبت کو بھول گئے اور ساری رات ان معمولی چھولداریوں میں ہنسی خوشی گزار دی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی قاضی صاحب نے سب کے واسطے علیٰ قدر مراتب عمدہ عمدہ خیمے استادہ کرا لئے اور اُن کو نفیس سامان سے آراستہ پیراستہ کرا دیا اور طرح طرح کے انگریزی صابون اور فرانسیسی عطریات منگا کر پیش کئے جس سے افغانی امیر زادے بیحد مسرور اور قاضی صاحب کے بہت مشکور ہوئے

انھیں صاحبزادگان میں شہنشاہ نادر خاں تاجدار افغانستان کے چھوٹے بھائی آغا ہاشم بھی تھے جو انقلابِ "افغانستان" کے تذکروں میں خصوصیت کے ساتھ بہت ممتاز رہے ہیں۔

۴۔ لطیفۂ اقبال پشاور کے بعد دوسرا معرکہ آگرہ میں پیش آیا، ایک روز سر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر یو پی کے یہاں امیر صاحب کی دعوت تھی اور اسی روز لارڈ کچنر کے یہاں پولو۔ دو بجے دن کے قریب امیر صاحب نے قاضی صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ "ایک فٹن اُن کے ملازم خاص کو دے دی جائے تاکہ وہ کھانے کے کپڑے لے جاکر لفٹنٹ گورنر کے کیمپ میں مہیا رکھے اور ایک خاص خیمہ بھی امیر صاحب کے غسل کے واسطے وہاں تیار رہے" منشا یہ تھا کہ پولو کھیل کر امیر صاحب ہیوٹ صاحب کے کیمپ میں جائیں اور غسل اور تبدیل لباس کے بعد شریک دعوت ہوں۔

قاضی صاحب نے فوراً ایک عمدہ بگھی "اعلیٰ حضرت" کے ملازم کو دے دی، وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ ایک یوروپین پولیس سارجنٹ نے جو اس وقت ڈیوٹی پر تھا قاضی صاحب سے سوال کیا "جناب آپ نے گاڑی کی رسید لے لی؟" قاضی صاحب نے کہا "رسید کی کیا ضرورت ہے" سارجنٹ نے کہا "جیسی آپ کی مرضی۔ میں اگر آپ کی جگہ پر ہوتا تو ضرور رسید لے لیتا کیوں کہ یہ پٹھان نہایت دغاباز اور جھوٹے ہوتے ہیں" سارجنٹ کی بات قاضی صاحب کی سمجھ میں آگئی اور فوراً امیر صاحب کے ملازم کو بلا کر اپنی پاکٹ بک میں گاڑی کی رسید لکھوالی اس ملازم نے پنسل سے لکھ دیا "یک منزل فٹن یافتم" اور دستخط کر کے تاریخ و وقت لکھ دیا۔ دن بھر کام کر کے رات کو دس بجے قاضی صاحب اپنے خیمہ میں سو رہے تھے کہ یکبارگی میجر بروک افتاں و خیزاں اُن کے خیمہ میں پہونچے اور قاضی صاحب کو جگا کر پوچھا "خدا کے واسطے بتلایئے کہ آپ نے امیر صاحب کے نوکر کو گاڑی کیوں نہ دی؟ امیر صاحب نے لفٹنٹ گورنر سے آپ کی بیحد شکایت کی ہے جب ۹ ½ بجے تک اُن کا ملازم کپڑے لے کر کیمپ نہ پہونچا تو وہ پولو ہی کے لباس میں ڈنر میں تشریف لائے اور لارڈ منٹو اور سر جان ہیوٹ دونوں سے آپ کی شکایت کی" قاضی صاحب نے کہا "میں نے ٹھیک

دو بجے گاڑی ٹے دی تھی" میجر برگ نے کہا "آپ کی بات کا کون اعتبار کرے گا"۔ قاضی صاحب نے کہا "میرے پاس رسید موجود ہے"! اور اپنی پاکٹ بک نکال کر میجر برگ کے حوالہ کردی میجر برگ بیحد خوش ہوئے اور نوٹ بک لے کر اوچھلتے کودتے سیدھے سرجان ہیوٹ کے کیمپ میں پہونچے اور فوراً تمام حکام و افسران کے روبرو امیر صاحب سے عرض کیا "قاضی صاحب کا ذرا بھی قصور نہیں اور رسید دکھادی ع؎ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

تمام افسران کا پورا اطمینان ہو گیا امیر صاحب اُس وقت تو کچھ نہ بولے لیکن دو بجے رات کو کیمپ میں واپس آتے ہی اُنھوں نے اُس خطاوار ملازم کو فوراً کابل واپس کرنے کا حکم دیا اور قاضی صاحب سے فرمایا "اگر ہندوستان نہ ہوتا تو یہ شخص قتل کردیا جاتا"

درحقیقت وہ سارجنٹ فرشتۂ رحمت تھا اگر قاضی صاحب نے رسید نہ لی ہوتی تو اُن کی تمام عمر کی کارگزاریوں پر اس رات کو پانی پھر جاتا۔

۵۔ حسنِ انتظام

امیر صاحب کی عادت تھی کہ جس مقام پر اُن کا شان دار استقبال نہ ہوتا تھا وہ بہت برہم ہوجایا کرتے تھے چنانچہ کلکتہ میں موصوف کا داخلہ پرائیوٹ تھا اور اسی وجہ سے سوائے کمشنر پولیس اور ایک انڈر سکریٹری کے اور کوئی استقبال کے لئے موجود نہ تھا جب "اعلیٰحضرت" ہیسٹنگز ہاوس علی پور میں پہونچے جہاں اُن کے لئے کیمپ لگایا گیا تھا تو فرنیچر کو دیکھ کر بہت برہم ہوئے، اتفاقِ وقت کہ اُس روز کمروں وغیرہ کا انتظام قاضی صاحب ہی کے سپرد تھا لہذا ممدوح نے قاضی صاحب کو بلا کر بڑے غیظ و غضب کے ساتھ فرمایا "این سامان شایانِ بادشاہانِ نیست"۔ قاضی صاحب دست بستہ ہوگئے اور فوراً سر ہنری میکموہن اور سر ہنری ڈابر سے اجازت لے کر الیونز فرنیچر ہال، انڈرسن اور وہائٹ اوے لیڈلا وغیرہ دوکان دار ان کے زیر اہتمام ایک گھنٹہ کے اندر اندر تمام فرنیچر بدلوادیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کا نیا سامان "اعلیٰحضرت" کے کمروں میں پہونچ گیا۔

قاضی صاحب نے مسہری کا ایک جدید الوضع نہایت نفیس اور خوبصورت پردہ جس میں نہایت قیمتی لیس
لگی ہوئی تھی، خاص امیر صاحب کے لئے منٹوں میں بنواکر موصوف کی مسہری میں لگوا دیا جس میں اُن کی
جدتِ طبعی نے طرح طرح کے دلچسپ شگوفے کھلائے تھے اُسے دیکھ کر امیر صاحب کا سارا ملال جاتا رہا
اور اس قدر خوش ہوئے کہ دوسرے دن آغا اکرم خاں صاحب کے ذریعہ سے اسی طرح کے بارہ[12] پردے
کابل کے واسطے بنوانے کا حکم دے دیا۔

۶۔ امیر صاحب کے فریمیسن ہونے پر اُن کے سرداروں کا مشتعل ہونا اور قاضی صاحب کا ان کو ٹھنڈا کرنا

امیر حبیب اللہ خاں صاحب کلکتہ میں فریمیسن ہوئے اور یہ راز بجز سر ہنری میکموہن اور لارڈ کچنر کے کسی
ہندوستانی کو معلوم نہ تھا۔ چونکہ فریمیسنری میں چند ایسے مراسم ادا کئے جاتے ہیں جس میں باضابطہ
سوال و جواب کئے جاتے ہیں اور وہ سب انگریزی زبان میں مقرر ہیں امیر صاحب کے لئے خاص اہتمام
کے ساتھ دستور العمل کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا اور تینوں ڈگریاں ایک ہی شب میں اعلیٰحضرت کو دے دی
گئیں۔ سر ہنری میکموہن اور لارڈ کچنر نے اس تقریب کو بڑی حسن و خوبی کے ساتھ ادا کیا جس وقت تیسرے
دن یہ خبر پایونیر اخبار میں سب سے پہلے شائع ہوئی تو قاضی صاحب جنرل[1] نادر خاں صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے
تھے پاینیر پڑھتے ہی جنرل نادر خاں غصے کے مارے ایسے بیتاب ہوئے کہ تاب ضبط نہ لا سکے اور دانت
پیسنے لگے۔ قاضی صاحب نے بہت دیر تک جنرل صاحب سے تبادلۂ خیال کیا اور "فریمیسن" کے اصول و عقائد
سمجھا کر انھیں یقین دلایا کہ اس میں کوئی بات مذہب اسلام کے خلاف نہیں، تب کہیں بمشکل تمام جنرل صاحب
کو کسی قدر تسلی ہوئی جو واقعات اب امیر امان اللہ خاں صاحب کے ساتھ پیش آئے ہیں اُن کو دیکھتے ہوئے
ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا کہ اگر قاضی صاحب معاملہ کی صفائی نہ کر دیتے تو افغانی جو قدرتی طور پر مذہبی امور میں
اس قدر دیوانے ہیں کہ وجہ و علت کو بلا سوچے سمجھے معمولی سی بات پر عالم تہ و بالا کر دینے کو آمادہ ہیں

---

[1] موجودہ "شہنشاہ نادر خاں" تاجدار دولت خداداد افغانستان ۱۲۔

ہو جاتے ہیں نہ معلوم کن امور کے باعث ہوتے تھا اور امیر حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم کو خدا جانے کن کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۷۔ سرداران کابل کا قاضی صاحب کی امیر صاحب سے شکایت کرنا اور امیر صاحب کا مصلحتاً انھیں سفیر کابل منتخب نہ کرنا

اسی قیام کلکتہ کے دوران ایک دن امیر صاحب نے لیڈی وایولٹ بنت لارڈ منٹو کے نام قاضی صاحب کو ایک خط اور کچھ تازہ ثمرہائے کابل مثل انگور اور انار وغیرہ کے دیگر تحفۃً لیڈی صاحبہ کو بھیجے اور فرمایش کی کہ "خط مذکور بجز موصوفہ کے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دیا جائے" مغرب کا وقت تھا قاضی صاحب فوراً خط اور تحایف لے کر سواری موٹر گورنمنٹ ہاؤس کو روانہ ہو گئے۔ چند سرداران کابل نے قاضی صاحب کو جاتے ہوئے دیکھ لیا اور اسی دن رات کے وقت امیر صاحب سے قاضی صاحب کی شکایت کی کہ وہ نماز مغرب کے لئے نہیں ٹھیرے اور رخصت لے کر گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے۔ امیر صاحب نے اس وقت تو کچھ خیال نہ کیا لیکن چند روز بعد جب قاضی صاحب کا نام "سفارت کابل" کے لئے پیش کیا گیا تو انھوں نے قاضی صاحب کو بلا کر فرمایا "بہ نفس نفیس میں آپ سے بہت خوش ہوں اور بڑی مسرت سے آپ کو کابل لے جانے کے واسطے تیار" لیکن میرے سردار آپ کو پابند مذہب نہیں سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے میں آپ کا کابل لے جانا خلاف مصلحت تصور کرتا ہوں۔"

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کابل میں "سفارت" کی جگہ خالی ہونے پر حکومت ہند تین مسلمان افسروں کے نام امیر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا کرتی تھی اور امیر صاحب جس کو انتخاب کر لیا کرتے تھے وہ افسر دو سال تک کابل میں رہتا تھا اور بجز نماز جمعہ کے کسی اور موقع پر سفارت خانہ سے باہر جا سکتا تھا نہ کسی سے مل سکتا تھا اور نہ اپنے اہل و عیال کو اپنے ہمراہ رکھ سکتا تھا۔ تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی اور واپسی کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تا زیست ڈھائی سو روپیہ ماہوار وظیفہ اور "نوابی" کا خطاب عطا ہوتا تھا

قاضی صاحب گو فطرتاً عزلت پسند واقع ہوئے ہیں لیکن اس سفر میں افغانیوں کے حرکات وسکنات دیکھ کر اور حالات سن کر دہ حواس باختہ تھے ہز مجسٹی کی تقریر سن کر بیحد خوش ہوئے اور بکمال ادب عرض کیا کہ "مجھ کو وہاں کی سفارت کی ذرہ بھر تمنا نہیں" اور خدا کی اس عنایت پر کہ امیر صاحب نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا اور خاموشی سے ان کا انتخاب کر لیا اور اس طرح ان کو دو سال کی اسیری قید محض اور مستقبل کے خطرات سے نجات مل گئی بہت احسان مند ہوئے اور شکریہ ادا کیا۔ ادھر امیر صاحب نے بقیہ دو پیش کردہ حضرات میں سے کسی اور صاحب کو منتخب کر کے گورنمنٹ کو اطلاع دے دی۔

۸۔ امرائے افغانستان سے قاضی صاحب کے مراسم اور قاضی صاحب کا ملکۂ فارسی گوئی

اس سفر کے دوران میں قاضی صاحب اور سردار علی احمد جان۔ جنرل نادر خاں سردار ہاشم خاں۔ صاحبزادہ خرم اکرم کرنل آمعیل خاں اور دیگر سرداران کابل سے مراسم خاص پیدا ہو گئے تھے اور گو شروع میں قاضی صاحب کو فارسی بولنے کی عادت نہ تھی اور امیر صاحب سے گفتگو کرتے وقت اثنائے کلام میں اکثر انگریزی الفاظ زبان سے نکل جاتے تھے لیکن دس ہی پندرہ دن کے بعد ان سرداروں کی صحبت میں اس قدر مہارت ہو گئی تھی کہ مثل اہلِ زبان کے وہ بے تکلف بات چیت کر لیتے تھے۔

۹۔ امیر صاحب کا صلہ اور اظہارِ خوشنودی مزاج

جب یہ سفر بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا تو امیر صاحب مرحوم و مغفور نے قاضی صاحب کو اپنی ایک بڑی تصویر اور ایک طلائی گھڑی جس پر مختصر سی عبارت کندہ تھی بطور صلہ یادگار عطا کرتے ہوئے آپ کی خدمات پر پر زور الفاظ میں اظہارِ خوشنودی کیا۔

۱۰۔ ناظم و معینِ ناظمِ سیاحت امیر صاحب کی جانب سے تشکّر

ختم سیاحت امیر صاحب کے بعد سر ہنری میکموہن اور میجر وکٹر برک نے قاضی صاحب کے پسندیدہ خدمات کا بہترین الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے اظہار شکر گزاری کیا۔

۱۱۔ داد و تحسین حکومت

حکومت کی جانب سے امیر صاحب کی سیر و سیاحت ہند کے متعلق ایک کتاب انگلستان میں شائع کی گئی۔ اس میں قاضی صاحب اور ان کی خدماتِ کلکتہ و آگرہ بموقع ورود امیر کا خاص طور پر تذکرہ کرتے ہوئے انھیں داد دی گئی۔

باب چہارم

ریاست ہائے ہند کی ملازمت

سیاحت کے دوران میں امیر صاحب کی معیت تمام افسران کے لئے خواہ وہ انگریز ہوں یا ہندوستانی نہایت مبارک ثابت ہوئی اور سب لوگ علیٰ قدر مراتب بڑے بڑے عہدوں پر پہونچ گئے۔

قاضی صاحب جب تک امیر صاحب کے انتظام سفر کی خدمت پر متعین نہیں ہوئے تھے انھیں کبھی بھولے سے بھی ریاستوں کی ملازمت کا خیال نہ آیا تھا لیکن اس سفر میں مسٹر ڈابر کی بدولت سر ہنری میکموہن ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان، سر لوئس ڈین فارن سکرٹری حکومت ہند، میجر وکٹر برک ملٹری سکرٹری کمانڈر انچیف، میجر رام رے، میجر ڈرمینڈ اور میجر فیلڈ پولیٹیکل افسران سے جو صحبت رہی، مراسم بڑھے اور تبادلۂ خیال ہوا تو اُن کے دل میں بھی یہ شوق پیدا ہو گیا اور اس خیال نے [illegible] سرکاری ملازمت کے مقابلہ میں ریاستی ملازمت میں سوشل پوزیشن بہتر ہوتی ہوگی افزائشِ شوق میں زبردست حصّہ لیا۔ درحقیقت وہ اس وقت تک ریاستی ملازمت کی ناتجربہ کاری کے باعث ریاستوں میں جو وہاں کے حکّام کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی یا جو پیچیدگیاں پڑتی رہتی ہیں اُن سے قطعی نابلد تھے، ورنہ اُن کی طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہ اس الجھن میں پڑنا گوارا نہ کرتے۔ بہرحال یہ سفر اُن کی ریاستی ملازمت کا پیش خیمہ تھا۔

مسٹر ڈابر (سر ہنری ڈابز سابق ہائی کمشنر عراق) کوں تو بارہ بنکی کی تعیناتی کی چند روزہ

معیت میں قاضی صاحب اور اُن کی حسن کارگزاری کا اندازہ کر ہی چکے تھے اور اسی بنا پر انھوں نے انہیں امیر صاحب کی معیت کے لئے منتخب کیا تھا لیکن اس سفر میں وہ ان کی سلیم المذاقی، لطفِ طبع اور ہر کام کو باحسنِ وجوہ انجام دیتے ہوئے دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے پرزور سفارش کر کے راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا کی ریاستوں کی ملازمت کے واسطے ان کا نام دفتر خارجہ میں درج کرا دیا۔

۱۔ وزارت دتیا پر تقرر اور لفٹنٹ گورنر یوپی کا انکار

اواخر ۱۹۰۶ء میں صاحب موصوف کی مساعی بار آور ہوئیں اور ہز ہائنس مہاراجہ گوبند سنگھ بہادر بالقابہ اپنے پدر بزرگوار مہاراجہ سر بھوانی سنگھ (صاحب) کونڈر بہادر آنجہانی کی وفات پر مسند آرائے دتیا ہوئے تو مسٹر جارڈن پولیٹکل ایجنٹ گوالیار، مسٹر ریلیڈ اسسٹنٹ پولیٹکل آفیسر دتیا اور مسٹر وار برٹن سکرٹری سنٹرل انڈیا کی سفارش پر قاضی صاحب کا تقرر دیوان دتیا کے عہدہ پر ہو گیا۔ مگر سوء اتفاق سے اس وقت ضلع مراد آباد میں آثارِ قحط نمایاں تھے لہٰذا قاضی صاحب کے دیرینہ دوست مسٹر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر یوپی کو اُن کا ملازمتِ خارجہ میں جانا گوارا نہ ہوا اور موصوف نے انھیں دتیا بھیجنے سے انکار کر دیا۔

۲۔ لفٹنٹ گورنر یوپی کا قاضی صاحب کی اشک شوئی کرنا

اس واقعہ کے چند روز بعد قاضی صاحب اور ہیوٹ صاحب میں ملاقات ہوئی تو موصوف نے فرمایا "ول! آپ ہمارے صوبہ سے بھاگنا چاہتے ہیں؟" انھوں نے عرض کیا "اس صوبہ میں بجز ڈپٹی کلکٹری کے کسی اور ترقی کی امید نہیں" ہیوٹ صاحب نے فوراً اسی تنخواہ پر جو دتیا میں ملنے والی تھی اُن کو کاشی پور کا "سب ڈویژنل آفیسر" مقرر کر کے مراد آباد سے وہاں تبدیل کر دیا۔

۳۔ لفٹنٹ گورنر کا کلکٹری دینے کا قصد مجوزی

اس تقرر کے کچھ دن بعد جب دوبارہ اُن سے اور ہیوٹ صاحب سے ملاقات

ہوئی تو ہیوٹ صاحب نے فرمایا "مجھے افسوس ہے کہ یو.پی میں عرصہ تک کوئی ایسی مستقل کلکٹری خالی ہونے والی نہیں ہے جس پر کسی مسلمان کا تقرر کیا جا سکے۔ اس واسطے میری رائے میں اب آپ کو ملازمت ریاست میں سعی کرنی چاہیے"۔

لفٹنٹ گورنر کا یہ ارشاد "سرود مستاں یاد دہانیدن" کا مصداق ثابت ہوا اور قاضی صاحب کے جذبۂ افسردہ میں از سرِ نو تلاطم پیدا ہو گیا۔ انھوں نے اپنے دلی خیر خواہ اور قدیم صادق الوداد افسر و مربی سر ہنری ڈابنز کو اس طرف پھر توجہ دلائی جنھوں نے بڑی ہی خندہ پیشانی کے ساتھ اُن کی خواہشات کا خیر مقدم کیا اور بحیثیت ڈپٹی سکریٹری فارن ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے جب جب موقع ملا وہ اُن کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے اور ریاست بیکانیر وغیرہ میں اُن کا نام بھجوایا اور اپنی مساعی کی ناکامی پر ہمیشہ متاسف رہے یکایک صاحب موصوف اور مسٹر بٹلر میں (جواب سر ہارکورٹ بٹلر کے نام سے مشہور "اوبٹلر کمیٹی" کے صدر رہ چکے ہیں) سخت کشیدگی پیدا ہو گئی اور انھیں دفتر خارجہ ترک کرنا پڑا۔ غالباً اسی وجہ سے قاضی صاحب کو ریاست کی ملازمت کے ملنے میں کئی سال کی تعویق ہوئی۔

(۱)

"ریونیو ممبری" ریاست بھرتپور

سنہ ۱۹۱۰ء میں مہاراجہ جودھپور کا انتقال ہوا اور قاضی صاحب نے یہ خیال کر کے کہ وہاں کونسل آف ریجنسی قائم ہوگی سر ہنری ڈابنز کے گہرے دوست آنریبل سر الیٹ کالون ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کو ایک خط بھیجا اور اپنی خواہشِ ملازمتِ ریاست کی یاد دلائی۔ وہ سر ہنری ڈابنز کی وجہ سے قاضی صاحب کا بہت لحاظ کرتے تھے، اُنھوں نے اُن کو فوراً جواب دیا "جودھپور میں تو توقع نہیں البتہ بھرتپور کونسل میں ایک مسلمان ممبر کی ضرورت ہے، اگر آپ چاہیں

تو کرنل گارڈن پولیٹیکل ایجنٹ بھرت پور سے ملاقات کرکے شرائط طے کرلیجیے"۔

قاضی صاحب کسی انگریز کو اطلاع دیئے اور اس سے مشورہ کئے بغیر بھرت پور جاکر وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ سے ملے اور خفیہ طور پر گفت و شنید کرکے انھوں نے ریونیو ممبر بھرت پور کا عہدہ قبول کرلیا۔

جب یہ خبر نینی تال پہونچی تو مسٹر کیمبل (الحال معروف بہ سر جان کیمبل) کمشنر اور مسٹر کیسل ڈپٹی کمشنر کو قاضی صاحب کا چھوڑنا بہت شاق گزرا لیکن سر لیزلی پورٹر نے جو اس وقت صوبہ متحدہ کے قائم مقام لفٹنٹ گورنر تھے اجازت دے کر اُن کی خدمات ریاست بھرت پور کو منتقل کردیں اور جون ۱۹۱۱ء میں انھوں نے بھرت پور میں اپنے عہدہ کا چارج لے لیا۔

حسنِ اتفاق کہ اُن کے ساتھی مسٹر ہالینڈ (فی الوقت سر رابرٹ ہالینڈ ممبر کونسل سکریٹری آف اسٹیٹ) بھرت پور کے پولیٹیکل ایجنٹ ہوکر آگئے۔ مسلمانانِ بھرت پور جن کی عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ کونسل آف ریجنسی میں ایک مسلمان ممبر بھی ہو قاضی صاحب کے تقرر سے بیحد خوش ہوئے انھوں نے بھی اپنے فرائض نہایت احتیاط، قابلیت اور دوراندیشی کے ساتھ اس طرح انجام دیئے کہ نہ مسلمانوں کے حقوق پامال ہونے پائے اور نہ ہندوؤں کو موقعِ شکایت ملا۔

۱۔ قاضی صاحب کے عہد کی ترقیات

آپ کے پُربرکت عہد میں آپ کے مشورے سے ریاست و انتظام ریاست میں چند ضروری اصلاحات کی گئیں جن میں امور ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

(۱) عرصہ سے بھرت پور میں مسلمانوں کو محرم میں تعزیہ داری کی آزادی نہ تھی۔ اگر کوئی مسلمان تعزیہ رکھنا چاہتا تھا تو اس کو مجسٹریٹ کے اجلاس میں باقاعدہ درخواست دے کر مچلکہ اور ضمانت داخل کرنی پڑتی تھی۔ تب کہیں اجازت ملتی تھی مسٹر ہالینڈ کی عنایت سے قاضی صاحب نے اس حکم کو منسوخ کرادیا۔

(۲) مسلمانوں کو جو ضبطی معافی وغیرہ کے متعلق شکایتیں تھیں۔ اُن میں دلچسپی لی اور قصبہ

"پھر سر" کی "سیدانیوں" کا جو ہزارہا روپیہ ریاست نے دبا رکھا تھا سر الییٹ کے حکم سے واپس دلایا۔

(۳) زراعت کی جانب خاص طور پر توجہ کرکے کاشت تمباکو کے متعلق کھاری پانی سے آبپاشی کا تجربہ کیا اور ایک "زراعتی فارم" قائم کیا گیا۔

(۴) نسل کشی خچران کی ابتدا کی گئی۔

(۵) نمایش کی بنیاد ڈالی گئی۔

(۶) سررشتہ تعلیمات اور محکمۂ مال میں اصلاحات کرکے انھیں ترقی دی گئی۔

۲۔ اہتمام عروسی راجہ صاحب آنجہانی

مہاراجہ کشن سنگھ صاحب آنجہانی کی والدہ ماجدہ المعروف بہ "مائی جی صاحبہ" کو قاضی صاحب پر بہت اعتماد تھا چنانچہ جب فریدکوٹ میں مہاراجہ صاحب موصوف کی شادی ہوئی تو اس کے اہتمام میں راؤ بہادر دھاو جی بخشی، رگھبیر سنگھ اور قاضی صاحب کا خاص حصہ تھا۔

۳۔ اعترافِ خدمات

یوں تو سر الییٹ کالون اور مسٹر ہالینڈ نے بہت سے مواقع پر آپ کی حسنِ خدمات وحسنِ عمل کی تعریف وتوصیف کی مگر وہ خط جو سر رابرٹ ہالینڈ نے بھرت پور کی پولیٹکل ایجنسی سے سبکدوش ہوتے وقت آپ کو لکھا خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ وہو ہذا

"میں پولیٹکل ایجنٹ مشرقی راجپوتانہ کی اسامی کو چھوڑتے ہوئے نہایت متشکر ہوں کہ آپ نے گزشتہ دو سال میں مجھ کو بڑی مدد دی آپ کی محنت، دلچسپی اور جاں فشانی کی بدولت ریاست میں بہت سی مفید اصلاحات ہوئیں۔ آپ کی قابلیت، مکمل تجربات اور وسیع معلومات سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا مدۃ العمر مجھے بھرت پور کی بہت سی دل خوش کن باتیں یاد رہیں گی لیکن ان سب میں زیادہ آپ کے

تعلقات جو کونسل چیمبر کے اندر یا باہر نصیب ہوئے، یاد آویں گے۔ میں خود کو ایک خوش قسمت آدمی تصور کرتا ہوں کہ آپ جیسے عالی دماغ اور اعلیٰ خصائل کے افسر کے ساتھ مجھے کام کرنے کا موقع ملا۔

کاش میرا اور آپ کا پھر کہیں ساتھ ہوتا!!

۴ - وزارتِ دھولپور پر تقرر

سنہ ۱۹۱۳ء میں عالیجناب مہاراناؔ اودے بھان سنگھ صاحب بالقابہ والی دھولپور کو اختیارات ملنے کے موقع پر سر الیٹ کالون نے دھولپور کی وزارت کے واسطے قاضی صاحب کو تجویز کیا، لیکن ان کو جو آزادی و خود مختاری بھرت پور میں حاصل تھی وہ ایک خود مختار رئیس کے ساتھ کام کرنے میں غیر ممکن نظر آتی تھی اس لئے انھیں وہاں جانے میں بہت پس و پیش تھا۔ مگر مسٹر ہالینڈ اور سر الیٹ کالون کا اصرار اُن کے انکار پر غالب آیا اور وہ بادلِ ناخواستہ دھول پور جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

۵ - بھرت پور کے الوداعی جلسے

بھرت پور کی پبلک نے جس جوش اور خلوصِ دل کے ساتھ اُن کو الوداعی جلسے دئے ان کا مفصل تذکرہ غیر ضروری ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہندو، مسلمان، امیر و غریب غرض ہر فرد بشر کو آپ کی جدائی کا بےحد صدمہ تھا اور ہر ایک نے حتی المقدور بہ عنوان مختلف و شائستہ اس موقع پر اظہار عقیدت و تاسف کیا۔

۶ - عوام بھرت پور پر آخری احسان

قاضی صاحب کی ذاتی مساعی نے مولوی اشفاق حسن خاں صاحب (موجودہ ممبر کونسل جے پور) ڈپٹی کلکٹر مراد آباد کو اپنی جگہ کے لئے منتخب کرا کے عوام بھرت پور کے دل سے اپنی جدائی کا غم یک گونہ غلط کرا دیا اور "خاں صاحب موصوف" نے بھی اپنے پیشرو کے قدم بقدم چل کر اپنے آپ کو اُن کا صحیح جانشین ثابت کرنے میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہ کی اور قاضی صاحب کا یہ وہ آخری احسان تھا جس کو عوام بھرت پور کبھی محو نہ کریں گے۔

جلسۂ الوداعی ریاست، بھرتپور

خان بہادر نواب قاضی عزیزالدین احمد صاحب بالقابہ ریونیو ممبر بھرتپور کونسل داهنی جانب سے ساتویں

(۲)

ریاست دھولپور کی جوڈیشل منسٹری

قاضی صاحب نے اگست ۱۹۱۳ء میں دھولپور کی وزارت کا چارج لیا اور وہاں اُن کو جن مشکلات اور اختلافات کا سامنا کرنا پڑا اس کا تذکرہ غیر ضروری اور طول لاطائل ہے مگر بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب ہی کی ہستی تھی جو باوجود انتہائی پیچیدگیوں کے نہایت دور اندیشی اور متانت کے ساتھ محض اپنے زور بازو سے نو سال تک دھولپور میں اپنا وقت قابل تعریف و تحسین طور پر بسر کر گئی، دوسرا ہوتا تو یقینی طور پر گھبرا جاتا۔

دھول پور کی کارگزاریاں

دھولپور میں بھی اُن کے زمانہ میں اصلاحات ہوئیں آمدنی کے ذرائع و وسائل میں نمایاں اضافہ ہوا اور ریاست نے بیشمار اندرونی و بیرونی ترقیاں کیں آپ نے اس زمانہ [illegible] نمایاں کام انجام دئیے وہ بالاختصار یہ ہیں:

۱۔ ترمیم معاہدہ حق کروڑگیری

برٹش گورنمنٹ اور [illegible] دھولپور سے ایک خاص معاہدہ تھا جس کی بنا پر ریاست کو کروڑگیری (کسٹم) کا حق حاصل نہ تھا۔ آپ نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کر کے اس معاہدے کو ترمیم کرایا اور ریاست کو کسٹم لگانے کا اختیار مل گیا۔ جس سے اس کو قریب بیس تین لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا فائدہ ہوا۔

۲۔ قاضی صاحب کی مساعی سے مہارانا صاحب دھولپور کا تعلقہ دار اودھ بھی ہو جانا

شاہزادہ باسدیو سنگھ تعلقہ دار بیدی گنیش پور ضلع رائے بریلی مہاراجہ نہال سنگھ

شیر پنجاب کے پوتے اور مہارانا صاحب دھول پور کے حقیقی ماموں تھے۔ شاہزادے صاحب کے دو بھانجے تھے۔ ایک مہاراجہ پٹیالہ اور دوسرے مہارانا دھولپور۔ لیکن چوں کہ شاہزادہ صاحب کو ایک تو شکار کا بیحد شوق تھا اور دوسرے مہارانا صاحب سے انھیں محبت بھی بہت تھی اس بنا پر وہ دھولپور میں زیادہ مقیم رہا کرتے تھے اور چونکہ شاہزادے صاحب کے والد شاہزادہ شاہ دیو سنگھ صاحب اور قاضی صاحب کے والد قاضی سعید الدین احمد صاحب مرحوم کے مابین بہت قدیمی تعلقات اور شگفتہ مراسم تھے اس لئے شاہزادے صاحب قاضی صاحب کی وزارت سے بہت مسرور ہوئے تھے حق تو یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ قاضی صاحب کو ہر موقع پر پوری پوری مدد دی اور یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے مہارانا صاحب پر قاضی صاحب کے خلاف کسی سازش کا مطلق اثر نہ ہوا۔

شاہزادے صاحب جب دھولپور میں علیل ہوئے تو قاضی صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ رائے بریلی کا تعلقہ مہارانا صاحب کو ملنا چاہیئے چنانچہ انھوں نے اپنی خداداد تدابیر ترکیب سے ایک وصیت نامہ شاہزادہ صاحب کی جانب سے لکھوا کر اپنی اور سول سرجن آگرہ کی شہادت ثبت کرائی اور جب یہ معلوم ہوا کہ "تعلقہ دار اودھ" کی وصیت پر رجسٹری لازم ہے تو باوجود شاہزادہ صاحب کی سخت بیماری کے انھیں آگرہ لے جاکر مسٹر لال ڈسٹرکٹ جج سے رجسٹری بھی کرادی اور اس طرح جملہ شرائط قانونی کی تکمیل ہوگئی جس سے آگے چل کر وہ وصیت نامہ عدالتوں میں قابلِ تسلیم قرار پایا۔

ہمیں بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ مہارانا صاحب کو بظاہر خود اس "وصیت" اور تعلقہ کی خواہش نہ تھی اور جب شاہزادہ صاحب نے قاضی صاحب سے بمقام گنڈا گھاٹ واپسی "وصیت نامہ" کی خواہش ظاہر کی تو مہارانا صاحب نے قاضی صاحب کو اس کی واپسی پر زور دیا لیکن دوراندیش

قاضی صاحب اپنے آقا کے افادے کے لحاظ سے بلطائف الحیل ٹالتے رہے حتی کہ وقت گذر گیا اور تیسرے دن شاہزادے صاحب کا انتقال ہو گیا۔

شاہزادہ صاحب کے انتقال کے بعد آنجہانی کی رانیوں نے بہت مخالفت کی "بورڈ آف ریونیو" تک "مال" اور "چیف کورٹ" تک "دیوانی" میں مقدمہ رہا۔ لیکن قاضی صاحب کی جانفشانی اور خداداد قابلیت سے ہر جگہ مخالفین کو زک ہی اٹھانا پڑی۔

سب سے آخری معرکہ یہ پیش آیا کہ مسٹر فرارڈ "سینیر ممبر بورڈ آف ریونیو" نے مہارانا صاحب کو اس بنا پر تعلقہ دینے سے انکار کر دیا کہ کوئی والیٔ ملک حکومت ہند کی منظوری کے بغیر علاقۂ انگریزی میں غیر منقولہ جائداد حاصل کرنے کا مجاز نہیں لیکن مہارانا صاحب کی خوش اقبالی یا قاضی صاحب کی مساعی کی خوش قسمتی کہ جس روز مسٹر فرارڈ نے یہ اعتراض کیا اس کے دوسرے ہی دن لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند لکھنؤ میں ورود فرمانے والے تھے اور مسٹر ہالینڈ قائم مقام پولیٹیکل سکریٹری جو قاضی صاحب اور مہارانا صاحب دونوں کے دوست تھے لکھنؤ تشریف لائے۔ قاضی صاحب نے دہلی اور لکھنؤ ایک کر دیا اور مسٹر ہالینڈ کے پہونچتے ہی بارہ بجے رات کو گورنمنٹ آف انڈیا کی اجازت حاصل کر کے دوسرے دن مسٹر فرڈ کے سامنے "اجازت نامہ" پیش کر کے مہارانا صاحب کے حق میں ڈگری کرالی۔

اس تعلقہ کے آنے سے مہارانا صاحب کی ذاتی آمدنی میں قریب قریب ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوا۔

۳۔ ریاست سرمتھرا کی اطاعت

ریاست سرمتھرا "دھولپور" کی ماتحت ایک نیم خود مختار جاگیر ہے اس کے جاگیردار اور ریاست دھولپور کے درمیان پچاسوں برس سے تنازعات چلے آ رہے تھے قاضی صاحب کی

مساعی کے باعث وہ پورے طور پر ماتحت قرار پائی۔ پتھر کی کانوں کی آمدنی کا بڑا حصہ ریاست دھولپور کو ملا اور وہاں کے جاگیردار راؤ رنجیت سنگھ کو حدود ریاست دھولپور سے باہر بھجوا دیا گیا۔

(۴) فتح جھری ٹھاکران جھری کو اپنے قلعوں پر بہت ناز تھا وہ ہمیشہ ریاست سے برسر پیکار رہا کرتے اور کبھی کیفر کردار کو نہیں پہونچے تھے۔ قاضی صاحب نے خود اُن پر فوج کشی کی اور مئی اور جون کی سخت گرمی میں خوبا کے تال پر قیام کر کے اُن سے برسر پیکار ہوئے عرصہ تک توپوں کے وار ہوتے رہے اور پندرہ ۱۵ بیس ۲۰ آدمی فریقین کے میدان جنگ میں کام آئے لیکن قاضی صاحب نے جاں بازی سے کام لے کر دشمنوں کو پسپا اور قلعہ بھیم پورہ کو نیست و نابود کر دیا جس کی وجہ سے "ٹھاکران جھری" مہاراناصاحب دھولپور کے قدموں پر گر پڑے اور تمام معاملات مہاراناصاحب کے حسب منشا طے ہو گئے۔ اب وہ لوگ مثل دیگر رعایا کے تابع فرمان ہیں۔ سب سے بڑی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو اس فوج کشی کی وجہ سے کوئی موقع اعتراض کرنے کا نہیں دیا گیا۔

۵۔ ریاست کو آزادیٔ مذہب کی تبلیغ اور ریاست کا سخت بدنامی سے بچنا موضع مانگرول (دھولپور) میں جینیوں کا ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ جینی اس موضع میں اپنا رتھ نکالنا چاہتے تھے اور مہاراناصاحب نے سالہا سال کے غور و فکر کے بعد ان کو اجازت دے دی تھی جینیوں نے بڑی دھوم دھام سے میلہ کا اہتمام کیا اور مختلف مقامات سے ہزارہا جینی زائرین مع اپنی مستورات کے جو سر تا پا طلائی زیورات سے لدی ہوئی تھیں جمع ہوئے تمام ہندؤں کو یہ بات ناگوار گزری اور جب اُن کی عذرداری نامنظور ہوئی تو انھوں نے برہمنوں کے

اغوا سے لوٹ مار کا ارادہ کیا اور ہزار ہا آدمی لاٹھی، تلوار، اور بندوق لے کر جینیوں پر حملہ آور ہونے کے لیئے مجتمع ہو گئے خبر پہنچتے ہی قاضی صاحب میجر رگھبیر سنگھ، کپتان اجمیر سنگھ اور اجیٹن موتی سنگھ کو مع چند جوانانِ فوج کے اپنی معیت میں لے کر بسواری موٹر موقعِ واردات پر پہنچ گئے، وہاں آثار اچھے نہ دکھائی دیئے اور یہ امر یقینی تھا کہ اگر بلوہ فرو نہ ہوتا تو جینیوں کی عورتیں جو لاکھوں روپیہ کا زیور پہنے ہوئے تھیں لُٹ جاتیں اور ریاست کو معاوضہ دینا پڑتا۔ قاضی صاحب نے اپنی ذمہ داری پر فوج کو حکم دیدیا کہ "بلوائی آگے نہ بڑھنے پائیں اور اگر لوگ تعمیل حکم نہ کریں تو ان پر فوراً فایر کر دیے جائیں" چنانچہ فائر تک نوبت پہنچی اور اس معرکہ میں چند آدمی مقتول و مجروح ہوئے مگر جینی ہر طرح محفوظ رہے اور پورے انتظام کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچّے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیئے گئے۔

مہارانا صاحب اور اُن کے مشیر یہ سُن کر کہ کچھ لوگ مقتول بھی ہوئے ہیں بے حد متردّد ہوئے اِدھر لوگوں نے مہارانا صاحب کے ڈرانے کے لیئے طرح طرح کی افواہیں اُڑانا شروع کر دیں۔ جس کی بنا پر ایک عجیب شورش برپا ہو گئی۔

مہارانا صاحب واقعی بہت گھبرا گئے تھے۔ قاضی صاحب نے کرنل بینرمین پولیٹکل ایجنٹ کو تار دیا وہ فوراً تشریف لائے اور قاضی صاحب کی کل کاروائی کو بہت پسند کیا اور مبارکباد دی تب کہیں ہز ہائینس کو اطمینان ہوا۔

۶۔ ایک غلط افواہ

اتفاقِ وقت اِس واقعہ کے چند ہی روز بعد گورنمنٹ سے قاضی صاحب کو آئی۔ ایس۔ او کا خطاب ملا لوگوں نے مشہور کر دیا کہ مانگرول کے خدمات کے صلہ میں خطاب دیا گیا ہے اور گو اُنھوں نے اتنے خون کیئے مگر گورنمنٹ نے حوصلہ افزائی سے کام لیا۔ حالانکہ اصلیت اِس کے خلاف تھی خطاب کی

سفارش بہت پہلے ہو چکی تھی اور عام خدمات کے صلہ میں خطاب ملا تھا۔

۷۔ آریہ سماجی حملہ کی روک تھام

آریائی مشنری کے سرگرم دور میں آریہ سماج کے ممبران نے دھولپور کا بھی ترغہ کیا اور وہاں اپنا ایک مندر بنانا چاہا اور سوامی شردھانند انجہانی کی سرکردگی میں ستیاگرہ شروع ہوئی مہارانا صاحب کو سناتن دھرمیوں نے مجبور کیا کہ اُن کی ریاست میں کوئی بدعت " نہ ہونا چاہیئے۔ اور سیٹھ دھنی رام کی سرکردگی میں ہزار ہا سناتن دھرمی ہندو " آریوں " سے مقابلہ کرنے کو جمع ہوئے۔ کہتے ہیں اس معرکہ میں سوامی جی کے کچھ چوٹ بھی آئی۔ قاضی صاحب نے بڑی حکمت عملی سے جوش کو فرو کر کے سوامی جی کو دھولپور سے بحفاظت تمام علیحدہ کرا دیا۔ آریوں نے ہزار ہا تار وایسرائے کو قاضی صاحب کی شکایت میں بھیجے لیکن قاضی صاحب نے بغیر ذاتی خطرات سے متاثر ہوئے اپنے آقا کی بات بالا رکھنے کے لیئے اس امر کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ وہ آریا سماج میں غیر ہر دلعزیز ہو جائیں گے۔ غالباً آج تک دھولپور ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں آریہ مشن اپنے تبلیغی کاموں میں ناکامیاب رہا۔

۸۔ رفاہِ عام کے کام

قاضی صاحب کے زمانۂ قیام میں آپ کی توجہات کی باعث ریاست دھولپور میں " رفاہ عام " کے بہت سے کام کیئے گئے جن میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند مندرجۂ ذیل ہیں :-

(۱) ٹاؤن ہال تعمیر ہوا - یہ ایک بڑی شاندار عمارت ہے جس میں اب ورناکیولر اسکول قائم ہے۔

(ب) کلاک ٹاور بنوایا گیا - جو مہاراجہ نہال سنگھ انجہانی کے نام سے اب موسوم ہو کر " نہال ٹاور "

کہلاتا ہے۔

(ج) یتیم خانہ - اس میں ہر قوم اور مذہب وملت کے لاوارث بچوں کو مدد دیجاتی ہے۔

(د) محتاج خانہ - اس میں اندھے، لولے، لنگڑے، اپاہج اور بیکس مرد و عورتوں کی امداد کی جاتی ہے۔

ان سب کے قیام کے واسطے قاضی صاحب نے لاٹری کے ذریعہ بہت کافی روپیہ جمع کیا تھا اور اس طرح ریاست کو بہت کفایت ہوگئی تھی۔

(ہ) درگاہ "شاہ ابدال" تک سڑک نکالی گئی۔

(و) باڑی (علاقہ دھولپور) کے مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی

۹- کچنر میموریل فنڈ اور کچنر کالج نوگاؤں کا افتتاح

لارڈ کچنر آنجہانی کے انتقال پر مہارانا صاحب کی جانب سے آپ نے "کچنر میموریل فنڈ" کا افتتاح کرکے قریب دو لاکھ روپیہ کے چندہ والیانِ ریاست ہائے ہند سے جمع کیا اور اسی روپیہ سے گورنمنٹ نے نوگاؤں (چھاونی) میں "کچنر کالج" قایم کیا ہے۔ اور جس سے مہارانا صاحب کی بڑی نیک نامی ہوئی۔

۱۰- جنگِ عظیم

زمانۂ جنگ عظیم میں قاضی صاحب نے جو وفادارانہ امداد حکومت ہند کو دی اس کے متعلق تو ہم ایک جداگانہ باب قایم کرنے والے ہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ان کی تمام مساعی کو بہ حیثیت اس کے کہ وہ چیف سکرٹری دھولپور تھے اور وہیں رہ کر وہ اپنی تمام مساعی کو عمل میں لائے تھے جزوِ مساعی ریاست تصور کرنا چاہیے۔ حقیقتاً ان کی اور ریاست کی کوششیں جداگانہ نہ تھیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا اس میں جہاں وہ اپنے جذبۂ وفاداری دولتِ برطانیہ سے مجبور تھے وہاں انھیں ہز ہائینس مہارانا دھولپور کی خیرخواہی

بھی مد نظر تھی۔

(۱) فوجی بھرتی :- آپ کی مساعی سے تیس[۳۰] ہزار رنگروٹ بھرتی ہوئے اور ۱۴۲/۱ (نرسنگھ) دھولپور انفینٹری کے لیئے خاص طور پر بھرتی ہوتی رہی۔

(۲) قرضہ اور چندہ :- بیش قرار رقوم، چندہ، پوسٹل سرٹیفکٹ اور وار لون سرٹیفکٹ وغیرہ کے ذریعہ سے حکومتِ ہند کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

(۳) بٹالین انفنٹری :- مہارانا صاحب نے آپ کے مشورہ سے انڈین آرمی کے لیئے ایک بٹالین نرسنگھ انفنٹری قائم کر کے اس کو دھولپور میں رکھا۔

(۴) لکی بیگ :- اس کا انتظام انہوں نے دھولپور میں اس اعلیٰ پیمانہ پر کیا کہ ہندوستان بھر میں اس کی شہرت ہو گئی حتّٰی کہ خود ملکہ معظمہ علیا حضرت کوئن میری نے لندن سے "دھولپور لکی بیگ" میں شامل کرنے کے لیئے بہت سی چیزیں ارسال فرمائیں اور ہز ایکسیلنسی حضور وائسرائے ہند نے اس کی کامیابی پر ریاست کو خاص طور پر مبارکباد دی۔

۱۱- ریاست دھولپور کی کم خرچ بالا نشینی

غالباً ہندوستانی ریاستوں میں جو نیکنامی خدماتِ جنگ کے سلسلہ میں دھولپور کو حاصل ہوئی وہ دوسری ریاستوں کو اتنے کم خرچ پر میسّر نہیں آئی اور یہ سب کچھ قاضی صاحب کے حُسنِ انتظام کا نتیجہ تھا۔

۱۲- گورنمنٹ اور مہارانا صاحب کے درمیان شگفتہ تعلقات قائم رکھنا اور مہارانا صاحب کے وقار میں اضافہ

قاضی صاحب نے دھولپور میں رہتے ہوئے اپنی تمامتر توجہ اس امرِ خاص کی جانب مبذول رکھی کہ مہارانا صاحب اور گورنمنٹ کے

درمیان خوشگوار اور دوستانہ تعلقات قائم رہیں اور اُن کی ناموری و وقعت میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی رہے اور وہ ہمیشہ اپنی اس دلی آرزو میں بے حد کامیاب ہوئے چنانچہ سر چارلس والٹن لوکل ایجنٹ نے اس سعی اور اُس میں خاطر خواہ کامیابی کا بارہا اعتراف کیا۔ آپ کے زمانۂ وزارت میں مہارانا صاحب کو مندرجۂ ذیل خطابات و اعزاز پیشگاہِ خسروی سے عطا ہوئے:۔

(۱) "لفٹنٹ کرنل" کا فوجی خطاب و اعزاز۔

(۲) کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
اور
(۳) کے۔ سی۔ وی } کے اعلیٰ خطابات۔

(۴) اے۔ ڈی۔ سی حضور پرنس آف ویلز کا منصب۔

(۵) دُو توپوں کا سلامی میں اضافہ۔

۱۳۔ مہارانا صاحب دھولپور اور قاضی صاحب

مہارانا صاحب دھولپور کی سفارش پر قاضی صاحب کو دو انگریزی خطابات (آئی۔ ایس۔ او (او۔ بی۔ ای) دھولپور میں حاصل ہوئے اور چند اسناد و انعامات بھی گورنمنٹ آف انڈیا سے ملے۔

۱۴۔ دھولپور کے اعزاز

خود ہز ہائنس مہارانا صاحب دھولپور نے قاضی صاحب کو حسب ذیل اعزاز عطا فرمائے۔

(۱) طلائی کڑے:۔ راجپوتانہ میں قدیم نشانِ عزت افزائی یہ ہے کہ رئیس سونے کے کڑے خود اپنے ہاتھ سے پہنائے۔ ۱۹۱۶ء میں مہارانا صاحب نے قاضی صاحب کو یہ اعزاز

عطا فرمایا۔

(۲) تعظیم:۔ یعنی ریاست میں تعظیمی سردار کا درجہ۔ یہ اعزاز جس شخص کو میسّر آتا ہے، کل درباروں میں رئیس اُس کی نذر تعظیم دے کر استادہ ہو کر قبول کرتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں "فتح جھری" کے صلہ میں یہ اعزاز عطا ہوا۔

(۳) خلعت و تصویر:۔ اسی سال قاضی صاحب کی سعی سے اپنے تعلقدار اوندھی ہونے کے صلہ میں مہارانا صاحب نے ان کو دربارِ عام میں اپنی ایک نقرئی تصویر مع خلعت کے مرحمت فرمائی۔

(۴)

وزارتِ دتیا

سنہ ۱۹۲۱ء کے آخر میں جب پنڈت پنّالال صاحب دیوان دتیا اور مہاراجہ صاحب بہادر دتیا کے [illegible] کشیدگی بڑھ گئی تو مہاراجہ صاحب نے اُن تعلقات کی بنا پر کہ سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک مرتبہ قاضی صاحب اُن کے دیوان ہونے والے تھے اپنے معاملات میں قاضی صاحب سے مشورہ لیا اور خدا کے فضل و کرم سے انھیں پوری کامیابی ہوئی۔ اُدھر گورنمنٹ نے یہ تصفیہ کیا کہ پنڈت جی موصوف فوراً دتیا سے ہٹا دیے جائیں۔ مہاراجہ صاحب نے پہلے قاضی صاحب کے برادرِ خورد قاضی خلیل الدین احمد مرحوم کے خدمات حاصل کرنے کی درخواست کی، وہ اس زمانہ میں کھیری کے ڈپٹی کلکٹر تھے حکومتِ صوبۂ متحدہ نے حسب معمول و عادت سابقہ منظوری میں تامل کیا۔ مہاراجہ صاحب کو بہت عجلت تھی، لہٰذا اُنھوں نے برائے چندے قاضی صاحب کے خدمات بطور مستعار مہارانا دھولپور

جلسۂ الوداعی ریاست دھولپور
خان بہادر نواب قاضی عزیزالدین احمد صاحب بالقابہ جوڈیشل منسٹر دھولپور داھنی جانب سے تیسری

سے اس شرط پر طلب کیں کہ قاضی صاحب دونوں ریاستوں کا کام انجام دیتے رہیں۔

کچھ ہی دن کے بعد مہاراجہ صاحب دتیا کو معلوم ہو گیا کہ قاضی صاحب کا وجود ان کی ریاست کے لیے بہت مفید ہے لہذا ممدوح نے کرنل انڈرسن پولیٹکل ایجنٹ سے قاضی صاحب کے دتیا رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ قاضی صاحب کو بھی اس تھوڑے عرصہ میں مہاراجہ صاحب کے حسنِ سلوک اور موصوف کی قدردانیوں کے باعث اُن سے اس قدر موانست ہو گئی تھی کہ اُنھوں نے بھی مہاراجہ صاحب کا چھوڑنا گوارا نہ کیا اور مہارانا صاحب دھولپور سے قطعی ملازمتِ دتیا کی اجازت لیکر جنوری ۱۹۲۲ء میں مستقل طور پر وزارتِ دتیا کا قلمدان سنبھال لیا۔

چونکہ مہاراجہ صاحب دتیا اور اُن کی رعایا کو قاضی صاحب پر کلّی اعتماد اور اُن کی رائے سے پورا پورا اتحاد ہے جیسا کہ مہاراجہ صاحب اکثر اپنی تقریروں میں اظہار کر چکے ہیں اس واسطے یہاں قاضی صاحب کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اور آپ نے مختلف تمدنی و انتظامی شعبہ ہائے ریاست میں رنگارنگ اصلاحیں کر کے ریاستِ دتیا کو دُلہن بنا دیا۔ اس ریاست میں جو اصلاحات آپ نے کیں اُن کو اگر بالتفصیل مدون کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے چنانچہ سیٹھ ہربلاس صاحب تاجرِ مورینہ آپ کے عہد وزارت کی ترقیات کی ایک فہرست "تعجب خیز ترقی" کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع بھی کر چکے ہیں ہم یہاں مختصر طور پر صرف نمایاں اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) لیجسلیٹیو کونسل کا قیام

آپ نے اپنی انتہائی دوربینی اور فطری دوراندیشی سے رفتارِ زمانہ پر نظر ڈالتے ہوئے دتیا میں لیجسلیٹیو کونسل کو

قائم کر دی۔جس کی وجہ سے رعایا کو ملکی انتظامات میں حصّہ لینے کے حقوق مل گئے سنٹرل انڈیا میں دتیا ہی سب سے پہلی ریاست ہی جہاں والیِ ملک رعایا کے مشورہ اور اُس کی شرکت سے کاروبارِ ریاست انجام دیتا ہی۔

(۲) کمسنی کی شادی کے خلاف قانون

لیجسلیٹو کونسل دتیا نے بہت سے مفید قوانین بنائے ہیں جن میں سے بعض بعض میں آپ کے اشارات نے بھی کام کیا ہے اور ان میں سے بہترین قانون وہ ہی جس کی رو سے صغر سنی کی شادی اُن ذاتوں میں ممنوع قرار دی گئی جن کے یہاں عقد بیوگان کی رسم نہیں۔ یہ وہ عاقلانہ قانون ہی جسکی تقلید آج حکومت ہند اور مختلف ریاستیں کر رہی ہیں۔

۳ پنچایتی عدالتوں کا قیام

بُندیلکھنڈ کی آبادی بے حد منتشر ہی یہاں کے دیہات ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر آباد ہیں اس سبب سے اہلِ معاملہ کو ہر معاملہ میں "صدر عدالت" تک آنے جانے میں سخت تکلیف اور زیر باری ہوتی تھی لہذا آپ نے پنچایتی عدالتیں قایم کر دیں جن کی وجہ سے اب چھوٹے چھوٹے مقدمات خود دیہات ہی میں فیصل ہو جاتے ہیں اور رعایا بہت آرام سے ہی۔

۴۔ اسٹیٹ بینک

کاشتکاروں، تاجروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو شادی بیاہ اور تعمیر مکانات وغیرہ جیسے ضروری مواقع پر مہاجنوں کے گھر کی خاک چھاننا اور پھر ان کے شکنجۂ سود میں گرفتار ہونا پڑتا تھا اور یہ خداوندانِ دولت اُن غریبوں کا خون چوس لیتے تھے، اس لئے آپ نے "اسٹیٹ بینک" قائم کی جس سے آسانی کے ساتھ بہت ہی کم سود پر ہزارہا غریب و کم استطاعت لوگوں کو مدد مل چکی ہی اور برابر ملتی رہتی ہے۔

۵ یونانی طب اور ویدک کی حوصلہ افزائی ہندوستان میں ایک مدتِ مدید سے ویدک اور یونانی طریقِ علاج کو چونکہ حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں اس لیئے اب اس کے ماہرین بھی نایاب ہوتے جاتے ہیں۔ آپ نے اس کمی کو محسوس کرکے علاوہ انگریزی اسپتالوں کے یونانی اور ویدک شفاخانے بھی قایم کیے۔ جن میں لایق طبیب اور تجربہ کار وید مریضوں کا علاج مفت کرتے ہیں اب برٹش حکومت میں حکومت اور ڈسٹرکٹ بورڈ بھی طب یونانی اور ویدک کی سرپرستی کررہے ہیں اور بعض بعض مدارس کو ان طُرق ہائے علاج کی تعلیم کے لیئے امداد بھی دی جاتی ہے۔

۶ لازمی تعلیم کا نفاذ ہمیشہ سے قاضی صاحب جہاں رہے تعلیمات پر خاص طور سے آپ کی توجہات مبذول رہیں، دتیا میں بھی اس شعبہ پر آپ نے کامل توجہ سے کام لیا۔ خاص ریاست میں جبریہ تعلیم کا نفاذ کیا۔ انگریزی، ہندی اور اُردو کی بالکل مفت اور بلافیس تعلیم دیجاتی ہے سالانہ بہت سے طلباء کو ریاست کے صرفہ پر بیرونجات کے کالجوں میں تعلیم کے لیئے بھیجا جاتا ہے۔ وہاں کے تمام مدارس میں "مذہبی تعلیم" کا خاص انتظام کیا گیا ہے اور مذہبی تعلیم کے لیئے دہلی یونیورسٹی میں ایک تنخواہ دار پروفیسر مقرر کیا گیا ہے۔

۷ دھرم سبھا ریاست کی جانب سے جو ہزارہا روپیہ کارِخیر میں صرف کرنے کے لیئے دیا جاتا تھا اکثر بددیانت منتظمین اُس کو صحیح مصرف میں نہ لاتے اور خورد بُرد کرجاتے تھے۔ آپ نے دھرم سبھا کے نام سے ایک کمیٹی قائم کرکے باضابطہ انتظام کردیا۔ تمام اُمورِ مذہبی اسی کمیٹی کے زیرِ اہتمام طے ہوتے ہیں غرباء، محتاجین، فقرا

مساکین اور ہر ضرورت مند کو اس کمیٹی سے ہر قسم کی باقاعدہ امداد ملتی ہی-

۸- دھرم شالہ مسافروں کو کسی جائے قیام کے نہ ہونے کے باعث طرح طرح کی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا آپنے دتیا ریلوے اسٹیشن کے قریب ان کے آرام کے لیئے نہایت خوبصورت دھرم شالہ تعمیر کرایا جہاں لوگوں کو بہت آرام ملتا ہے۔

۹- گئوشالہ لاوارث، غریب اور بے زبان گایوں کی پرورش کے واسطے منجانب ریاست بامداد باشندگان شہر گئو رکشا کمیٹی قایم کرکے ایک عالیشان گئوشالہ کھول دیا ہی۔ شہر کے مہاجن اور ریاست کے باشندوں کی مدد سے ایک کمیٹی اس گئوشالہ کا اہتمام کرتی ہی۔ اور اس کار خیر میں آپ کی توجہ سے ریاست بھی ایک ہزار روپیہ چندہ دیتی ہے۔

۱۰- دوسرے ضروری خیراتی کام آپ نے ہز ہائینس کو خاص طور پر خیراتی کاموں کی طرف متوجہ کیا چنانچہ ریڈکراس سوسائٹی اور سینٹ جانس ایمبولینس ایسوسی ایشن اور انجمن حفاظتِ اطفال کا ریاست میں بڑی سرگرمی سے کام ہوتا ہی اور اُنھوں نے ریاستِ دتیا میں بڑا فروغ حاصل کیا ہی لارڈ ریڈنگ جب ہندوستان سے تشریف لیجانے لگے ہیں تو موصوف نے ہز ہائینس کو ایک خاص خط بھیجا اور اس میں اس شعبہ کی حُسنِ کارگزاری پر۔ پُرزور الفاظ میں انھیں خراج داد و تحسین دیا

۱۱- ریاستی مطبع آپ سے پہلے ریاست کے اشتہارات، نقشہ جات اور دفتری کاغذات بیرونجات سے طبع ہو کر آتے تھے۔ اس طرح ریاست کا بہت سا

روپیہ باہر چلا جاتا تھا اور کام میں بھی توقف ہوتا تھا۔ آپ نے اسٹیٹ پریس قائم کر دیا۔ جس میں اُردو ہندی اور انگریزی طباعت کا کام ہوتا ہے اور اسٹیٹ گزٹ بھی جو آپ کی ایجاد اور اسٹیٹ کے حالات پر مشتمل ہوتا ہے چھپتا ہے اس طرح ریاست کی اقتصادی حالت میں جو قابلِ قدر ترقی ہوئی ظاہر ہے۔

۱۲ وسعتِ ذرائع آبپاشی

ملک بندیلکھنڈ ایک ایسا ملک ہے جس میں عموماً پانی کی کمی رہتی ہے یہاں کے دریا پہاڑی ہیں جن میں بہت جلد طغیانی آتی ہے اور آناً فاناً اُتر جاتے ہیں۔ گرمیوں میں عام طور پر اس ملک میں پانی کی سخت تکلیف رہتی ہے، یہاں کی زراعت خاص طور پر صرف بارش پر منحصر ہے۔ قاضی صاحب نے اس کمی اور رعایا کی پریشانی پر نظر ڈال کر رام ساگر، ستیا ساگر اور کرن ساگر قدیم وسیع تالابوں کی جن میں جلد تر پانی خشک ہو جاتا تھا ہزارہا روپیہ کے صرف سے مرمت کرائی اور جا بجا آبپاشی کے وسائل بہم پہنچانے میں سعی کی۔

۱۳۔ گووندپور، سیونڈا اور شہر دتیا میں ترقی و رونق

ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب دتیا کو قدرتی طور پر شہر کی ترقی اور رونق کا بہت شوق ہے قاضی صاحب کے زمانہ میں مہاراجہ صاحب کی خواہشات کی بہت سرگرمی سے تعمیل ہوئی اور حسب ذیل ترقیاں ہوئیں:-

(ا) بجلی لگائی گئی جو اب تمام شہر میں روشنی پہنچاتی ہے۔

(ب) وسیع اور کشادہ سڑکیں نکالی گئیں۔

(ج) ٹیلیفون کا سلسلہ علاوہ شہر دتیا اور گووندپور کی تحصیل سیونڈا تک جو ۲۴ میل کے فاصلہ پر ہے قائم کیا گیا۔

(د) شہر دتیا اور سیونڈا میں اعلیٰ درجہ کی جدید عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ جن میں جیل، ورکشاپ۔ کلب گھر۔ گووند انفنٹری لائن جدید بازار اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم و مہاراجہ سر بھوانی سنگھ آنجہانی کے مجسمے قابلِ دید ہیں۔

(ہ) شہر دتیا میں بندروں کی کثرت سے رعایا کو بحد تکلیف تھی حتیٰ کہ مکانوں کی چھتیں اور ننھے ننھے بچوں کی جانیں تک غیر محفوظ تھیں۔ آپ نے ریاست کے صرفہ سے بندر گرفتار کرا کر دور دراز جنگلوں میں چھوڑوا دیے اور اہل شہر کو ایک بلائے عظیم سے نجات دلائی۔

(و) اب تک کوئی ایسا مقام شہر دتیا میں نہ تھا جس میں بڑے بڑے جلسے اور کمیٹیاں ہو سکیں اس لئے آپ نے نافِ شہر میں ایک عالیشان ٹاؤن ہال تعمیر کرایا۔

۱۴۔ اسٹیٹ ریلوے ذرائع نقل و حرکت کی آسانیاں بھی کسی خطہ کی ترقی کا ذریعہ ہوا ہوتی ہیں۔ آپ نے اس طرف بھی کامل توجہ سے کام لے کر جدید ریلوے لائن کی اسکیم تیار کی جس کی پیمائش ہو چکی ہے اور علیٰ قدر وسعت کچھ نہ کچھ کام بھی ہوتا رہتا ہے۔

۱۵۔ گوبند انفنٹری گو مہاراجہ دتیا کو اپنی طبعی بہادری کے باعث فوجی دلچسپی ہمیشہ سے ہے لیکن ریاست دتیا کے پاس آپ کی وزارت سے پہلے کوئی ایسی فوج نہ تھی جو جدید قسم کے انگریزی اسلحہ جنگ سے آراستہ ہوتی۔ اسی وجہ سے مہاراجہ موصوف جنگ عظیم کے زمانہ میں گورنمنٹ کی فوجی امداد نہ کر سکے تھے۔ قاضی صاحب نے آتے ہی اس کمی کو محسوس کیا اور امپیریل سروس ٹروپ کے قیام کا سوال اٹھا کر مہاراجہ صاحب کی منظوری سے گووند انفنٹری کی دو کمپنیاں قائم کر دیں جو اپنی وجاہت، بانات

دلیری، خوش سامانی اور قواعد دانی کے باعث ہمیشہ انگریز حکام کے جاذب نظر رہی ہیں۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں بہت ممتاز سمجھی جاتی ہیں۔

۱۶۔ ترقی نسل جانوران آپنے گھوڑوں اور مویشیوں کی ترقی نسل کے لیے بھی خاص انتظام کیا ہے۔ مرغی خانہ کا افتتاح کرایا ہے جس کی وجہ سے تمام ریاست میں اعلیٰ قسم کے جانور اور مرغیاں بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔

۱۷۔ دولت برطانیہ اور معاصرین وہمسایہ ریاستوں سے دتیا کے تعلقات اور رئیس دتیا کے اعزاز ووقار میں اضافہ

ہندوستان اور ہندوستانی ریاستوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستانی والیان ملک اور حکامان دولت برطانیہ آپس میں ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرکے طرز حکمرانی میں باموقع تغیر وتبدل کرتے رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ یگانگت برتیں۔ قاضی صاحب کے زمانہ وزارت میں اس بارہ میں دتیا کو قابل رشک کامیابی ہوئی۔

(۱) لارڈ ریڈنگ اور لارڈ اروِن سابق وحال وائسرایان ہند کو ریاست میں مدعو کرکے اُن کی شاہانہ خاطر ومدارات کی گئی اور اس طرح ملک معظم کی حکومت اور ریاست دتیا میں دوستانہ مراسم کی تجدید وپختگی عمل میں آئی۔ مہاراجہ صاحب نے لارڈ ریڈنگ کے مراسم کی یادگار قائم رکھنے کے لیے قریب ساٹھ ہزار روپیہ کے صرفہ سے موصوف کا ایک مجسمہ تیار کرا کے اس لیے مرحمت فرمایا کہ وہ جدید پایہ تخت دہلی میں نصب کیا جائے اس سے مہاراجہ صاحب کا نام تمام ہندوستان کے والیان ملک میں ہمیشہ کے لیے بہت ممتاز ہوگیا۔ "وائسریگل کورٹ اینڈ کمپ" نامی کتاب میں اس کے مصنف نے

لارڈ ریڈنگ کی تشریف آوریِ دتیا اور ریاست کی اعلیٰ مہماں نوازی کا پُرزور الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

(ب) لارڈ ولنسن اور سر ولیم برڈ ووڈ دونوں کمانڈر انچیف ہند کو پرتکلف دعوتیں دی گئیں۔ مؤخر الذکر پہلے کمانڈر انچیف ہیں جنھوں نے دتیا میں ۶ یوم قیام کیا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ کی یادگار میں ہارڈنگ اسپتال کے احاطہ میں ایک خوبصورت مکان "برڈ ووڈ وارڈ" کے نام سے تعمیر کرایا۔

(ج) سر ڈینس بلیک وے اور سر ریجنلڈ گلانسی ایجنٹان گورنر جنرل۔ سر گریم رووبیر چیف جسٹس ہائی کورٹ، لارڈ انکمپ۔ آنریبل مسٹر گلیڈس۔ سر جان ہیوٹ۔ سر کورٹنی منی لو سر رابرٹ ایجرٹن۔ سر جان ٹامسن۔ سر ولیم میرس، سر ہنری واٹسن۔ آنریبل مسٹر ایس۔ آر۔ داس وغیرہ ہم نے بھی مہاراجہ صاحب کی دعوتیں اور مہمانداری قبول فرمائی۔ سر ریجنلڈ گلانسی نے اپنی اسپیچ میں فرمایا۔ "دتیا کی مہمانداری پشاور سے مدراس و بمبئی تک خاص شہرت رکھتی ہے۔" انہیں تعلقات انہیں مہماں نوازیوں کی شہرت اور انہیں حکام ذوی الاحترام کے چشم دید حُسن انتظام کے واقعات اور تعریفات کی بنا پر ملک معظم کی خاطر عاطر پر مہاراجہ صاحب کی علوے ہمتی، تنظیم، تدبیر اور فوجی دلچسپی کا نقش جما ہوا ہے اور آپ نے اُن کو "میجر" کا خطاب عطا کیا ہے اور جب مہارانی صاحبہ کا انتقال ہوا تھا تو آپ نے بکمال شفقت مہاراجہ صاحب کو پیغامِ تعزیت بھیج کر آپ کی عزت افزائی کی تھی۔ معاصرین و ہمسروں میں مہاراجگان بیکانیر۔ جودھپور۔ پٹیالہ۔ دھولپور۔ جھالاوار۔ بنائیلم گڑھ۔ بجاور اور نواب رامپور کی آمد سے دتیا کے مراسمِ یگانگت کو بیحد فروغ ہوا۔ حضور ولیعہد بہادر دتیا کی شادی مہاراجہ بلرام پور کی صاحبزادی کے ساتھ جس کا اہتمام قاضی صاحب نے

خان بہادر نواب قاضی عزیزالدین احمد صاحب بالقابہ وزیر اعظم دتیا بحیثیت رکن امپیریل اوپیم کمیشن
موصوف درمیان میں ہار پہنے ہوے دتیا اسٹیشن پر جلوہ گر ہیں، حکام دتیا آپکو وداع کرنے کے لئے جمع ہیں

باحسن الوجوہ کیا اسی یگانگت کے نتائج پر محمول کی جاسکتی ہے۔ سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں بندگان عالی متعالی ہز اگزالٹیڈ ہائی نس حضور نظام خسرو دکن خلد اللہ ملکہ اور ممدوح کے صاحبزادگان کی آمد و قبول دعوت سے جو افتخار دتیا کو حاصل ہوا احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

قاضی صاحب کی برمحل و پاکیزہ متذکرہ بالا اصلاحات اور زریں مشوروں سے جو خاص وقعت مہاراجہ صاحب دتیا کو حاصل ہوئی بایں ماحول کمتر والیان ملک کو حاصل ہوئی ہوگی موصوف کی ہردلعزیزی اور وقعت ہی نے ممدوح کو مختلف موقر انجمنوں کی صدارت اور نائب الصدر کے اعزاز دلائے اور وہ اپنی رعایا میں بیحد ہردلعزیز ہیں۔

۱۸۔ حکومتِ ہند کی نظر میں ریاست دتیا کی خوش نظمی کا وقار

جب سے آپ دتیا کے منصب وزارت پر ممتاز ہوئے ہیں گورنمنٹ وہاں کے حسنِ انتظام کو نہ صرف بہ نظرِ استحسان دیکھتی ہے بلکہ بحیثیتِ خوش نظمی وہ دتیا کو ایک اعلیٰ پایہ اور چوٹی کی ریاست سمجھتی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ سے ایک اخبار نویس ہندوستانی ریاستوں کے اندرونی انتظامات کے دیکھنے کو ہندوستان آیا اور حکومتِ ہند کے محکمہ سیاسی سے خواہش کی کہ چند ریاست ہائے منتخبہ میں اس کو سفر اور حالات دریافت کرنے کی اجازت دیجائے۔ منجملہ تین ریاستوں کے اس موقع پر گورنمنٹ نے دتیا کو بھی انتخاب کیا اور کپتان گگ صاحب نے دو تین دن دتیا میں رہ کر اندرونی انتظامات ریاست کو دیکھا اور چلتے وقت بے انتہا تعریف اور اظہار شکر گزاری کیا۔

غرضیکہ قاضی صاحب کا وجود ریاست مذکور میں دتیا کے لیے مفید و باعث خوشحالی ہی ہوا اور جوان دل معمر قاضی صاحب نہایت تندہی، جانفشانی، خیرخواہی اور وفاداری کے ساتھ ریاستِ دتیا کی خدمات پر کمربستہ ہیں۔

۱۹-مہاراجہ صاحب دتیا کی قدر افزائی

مہاراجہ صاحب دتیا نے بھی اُن کی زریں خدمات اور کارگزاریوں کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً جُود و کرم کے دریا بہا دیئے۔

(۱) ۱۹۲۲ء میں وہ ۱۲۵۰ روپیہ ماہانہ پر دتیا آئے تھے مہاراجہ صاحب نے ایک ہی سال کے بعد ۱۵۰۰ کر دیئے اور تیسرے سال باوجود ان کے انکار کے ممدوح نے ۲۰۰۰ کی ترقی دی۔

(۲) متعدد بار مختلف مواقع پر خلعت مرحمت فرمائے۔

(۳) ملازمت کے پہلے ہی سال دربارِ دسہرہ کے موقع پر چنور، چھاتہ، تام جھام اور تفریح کا اعزاز عنایت کیا۔

(۴) ۱۹۲۸ء میں خطاب "نواب" اور دہ ضرب توپ کی لوکل سلامی کا اعزاز بخشا۔

۲۰-قاضی صاحب کا رویہ

ان ہی قدردانیوں کے باعث قاضی صاحب کو راعی و رعایائے دتیا سے اس قدر اُلفت و موانست ہے کہ وہ بھی کسی طرح وہاں سے کنارہ کشی بدل پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ اواخر ۱۹۲۹ء یا اوائل ۱۹۳۰ء میں جب آپ کو خیرپور سندھ میں ایک بااختیار مہتمم ریاست کی حیثیت سے حکومت ہند نے بھیجنا چاہا اور بیش قرار مشاہرہ دینا چاہا ہے تو آپ نے بعنوان شائستہ معذرت کر دی۔ اور دتیا کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

ماشاءاللہ مصرع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

باب پنجم

خدمات بسلسلہ
جنگِ عظیم اور ترک موالات

انگریزی قوم اور دولتِ برطانیہ کے ساتھ محبت و وفاداری قاضی صاحب کو وراثتاً اپنے آباؤ اجداد سے ہاتھ آئی ہے، جس کو بعض انگریز حکام کے خیر خواہانہ حُسنِ سلوک نے جو خود ان کی ذات کے ساتھ ہوا ہمیشہ تازہ رکھا۔ چنانچہ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ان کے سرکاری ملازمت میں داخل ہونے کا باعث ان کے مرحوم والد کے دوست کرنل پرکنس ڈپٹی کمشنر فیض آباد و پرتاب گڑھ تھے، اُنھیں نے ریلوے کی ملازمت سے اُنھیں باز رکھتے ہوئے سرکاری ملازمت کا وقار ان کے ذہن نشین کیا تھا۔ میجر لو صاحب ڈپٹی کمشنر پرتاب گڑھ کی آمد پر جب ابنائے روزگار نے انھیں علیحدہ کرا دیا ہے تو مسٹر ایس (اسسٹنٹ کمشنر) نے از راہِ شرافت و ہمدردی میجر صاحب موصوف سے سفارش کر کے ان کی تخفیف کا حکم منسوخ کرایا تھا، پھر میجر صاحب نے بہ نفسِ نفیس خود انھیں انگریزی پڑھا کر اور انگریزی سوسائٹی کے اصول اور عدالتی کاروبار تعلیم کر کے اُنھیں نہ صرف مراتبِ اعلیٰ پر پہنچنے کے قابل بنا دیا تھا بلکہ سپرنٹنڈنٹ مردم شماری مقرر کر کے حکومت کی نظر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انھیں

ایک کارگزار ہستی ثابت کر گئے اور اُن کی میم صاحبہ نے قاضی صاحب کی انگریزی تعلیم میں ہی مدد نہ دی تھی بلکہ وہ انھیں اپنا عزیز سمجھا کیں اور جب اپنے شوہر کی ناگہانی وفات کے بعد ولایت جانے لگیں تو میجر صاحب کے جانشیں ڈپٹی کمشنر کو بغیر اس کے کہ وہ قاضی صاحب کو بھی آگاہ کریں نہایت خاموشی کے ساتھ ان کی پر زور سفارش کر کے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی درخواست کر کے گئیں۔

میجر ہسٹنگیز ڈپٹی کمشنر پرتاب گڑھ چلتے چلاتے ان کو پیشکار مقرر کر کے گئے، اور ان کے تبادلہ کے بعد قاضی صاحب سے حسد رکھنے والوں نے اُنھیں پھر تنگ کرنا چاہا اور گرگ صاحب کو جو ہسٹنگیز صاحب کے دوسرے قایم مقام تھے قاضی صاحب کے خلاف بھر کر ان کا سخت مخالف بنا دیا تو بیچارے نے نہ صرف لفظاً ان کی ہمت افزائی کی بلکہ اپنے تمام دوست احباب کو ان کی سفارش میں خطوط لکھے اور اُنھیں علم تک نہ ہونے دیا۔

مسٹر کوئن کمشنر فیض آباد نے باوجود گرگ صاحب کی مخالفت کے انھیں اپنا سرشتہ دار مقرر ہی کر لیا اور مسٹر لیمیڈن کمشنر نے ان پر اس قدر اعتماد کیا کہ اپنی علالت کے زمانہ میں محض ان کے بھروسہ پر رخصت نہ لی اور گورنمنٹ سے اجازت لے کر سارا کاروبار اپنی نگرانی میں انھیں سے لیتے رہے۔ مسٹر وہائٹ ڈپٹی کمشنر گونڈا محض ان کو تحصیلداری نہ ملنے اور ان کی حق تلفی ہونے پر کمشنر فیض آباد سے لڑ گئے آخر کار مسٹر لیمیڈن ہی نے ان کو تحصیلداری دلائی اور مسٹر ڈبل کلکٹر مرزا پور نے باوجودیکہ ان کے اور لیمیڈن صاحب کے بین کشیدگی تھی ان کی سفارش اُن سے کی اور ڈپٹی کلکٹر بنوا دیا۔ سر ہنری ڈابز سابق ہائی کمشنر عراق نے جو ان کے زمانہ ڈپٹی کلکٹری بارہ بنکی میں وہاں کے ڈپٹی کمشنر اور اُن کے

دوست تھے اپنی محبت اور دلی خلوص کے باعث سیاحتِ امیر کابل کے موقع پر موصوف کی معیت کے لیئے اپنے ساتھ اُنھیں بھی نامزد کرایا اور اُن کی ملازمت خارجہ کی بنیاد اپنے ہاتھوں سے ڈال کر بار بار ان کی سفارش کی اور موجودہ رُتبے پر پہونچنے کی شاہراہ تیار کر گئے۔

یہ حسنِ سلوک، یہ خلوص اور یہ بے لوث محبت و بے غرض خیر خواہی تھی انگریز حکام وافسران کی جس نے قاضی صاحب کو ہمیشہ انگریز قوم اور حکومتِ برطانیہ کا انھیں دلدادہ بنائے رکھا اور وہ حکومت اور انگریزوں کا دوست رہنا اپنا ایک اخلاقی فرض سمجھا کیئے اور سمجھتے ہیں مخالفتوں کی موجودگی میں بھی آپ کے ان دوستانہ و وفادارانہ خیالات میں کبھی کسی قسم کی لغزش نہ آنے پائی اور اب تک مسلسل اراکینِ دولت برطانیہ کے ساتھ آپ کے تعلقات گہرے اور مخلصانہ ہیں۔

قاضی صاحب نے سب سے پہلا قدم جو کسی انگریز کی ہمدردی میں اُٹھایا وہ اپنے مربی میجر لو صاحب آنجہانی کی وفات حسرت آیات پر پرتاب گڑھ ہائی اسکول میں بصدارت مسٹر ایلس جلسۂ تعزیت منعقد کر کے ایک پُر درد تقریر کے ذریعہ موصوف کے انتقال پر اظہار رنج و غم کرنا اور ہمدردی و اظہارِ تاسف کا رزولیوشن پاس کرا کے بذریعہ تار اُن کی میم صاحبہ کی خدمت میں بھیجنا تھا۔

اسی پرتاب گڑھ کی تعیناتی کے دوران میں جب مسٹر سانڈرس نے جو ایک نوجوان و ناتجربہ کار اسسٹنٹ کمشنر تھے ایک بد وضع ہندوستانی کو ہنٹر مار دیا اور ہیسٹنگز صاحب کے یہاں دعویٰ ہونے پر صاحبِ موصوف نے قومیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ازراہِ انصاف سانڈرس صاحب کو سزائے جرمانہ دی اور اس شخص کے طرفداروں نے اس کو

بھڑکا کر عدالتِ دیوانی میں مسٹر سانڈرس پر ہتک کا دعویٰ کرایا اور وہاں کے وکلاء کو گانٹھ کر انھیں صاحب کی جانب سے پیروی نہ کرنے کا مشورہ دیا اور انگریزی ہندوستانی اخبارات میں شرارت انگیز مضامین لکھ لکھ کر واقعہ کو شہرت دینا اور صاحب بہادر کو تنگ کرنا شروع کیا تو قاضی صاحب ہی کے مشورۂ نیک اور مساعیِ جمیلہ سے یہ شورش رفع ہوئی۔ بازدعویٰ ہوا اور خدا خدا کر کے غریب سانڈرس کو اس بلا سے چھٹکارا نصیب ہوا۔

۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس کا افتتاح ہوا تو انگریزوں کو یہ امر بہت شاق گذرا اور سر آکلینڈ کالون لفٹنٹ گورنر صوبۂ متحدہ نے اِن خیالات کو ہندوستانیوں کے لیے مضر تصور کرتے ہوئے اظہارِ تنفر کیا تو قاضی صاحب نے بھی جو برٹش گورنمنٹ کے وجود کو ہندوستان کی ترقی اور اس کے قیامِ امن کے واسطے ضروری سمجھتے ہیں، "کانگریسی خیالات" کے خلاف صدہا مضامین لکھ کر پائنیر الہ آباد اور دوسرے اردو انگریزی اخبارات میں شائع کیے۔ جن سے کم از کم یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مسلمانوں کے خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوگئی۔

۱۸۸۶ء میں جب مہاراجہ دلیپ سنگھ خلف مہاراجہ رنجیت سنگھ آنجہانی شیرِ پنجاب، دولت برطانیہ سے کشیدہ ہو کر لندن سے ہندوستان واپس آرہے تھے اور گورنمنٹ ان کی واپسی کو خلافِ مصلحت سمجھ رہی تھی تو اُس وقت ہندوستان میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کی موافقت وہمدردی میں ایک خاص قسم کا جوش وخروش پیدا ہوگیا تھا، اس موقعہ کی نزاکت کو قاضی صاحب نے اپنی دوربینی سے تاڑتے ہوئے ایک مختصر کتاب مشتمل برحالات مہاراجہ دلیپ سنگھ لکھ کر شائع کی جس میں گورنمنٹ نے جو احسانات مہاراجہ دلیپ سنگھ پر کیے تھے

اور مہاراجہ دلیپ سنگھ نے جو جو غلطیاں کی تھیں ان سب پر تبصرہ کیا تھا۔ اس کتاب سے درحقیقت بہت کچھ ازالۂ غلط فہمی ہوا۔

قاضی صاحب کی وفاداری و دلی خیرخواہی کے امتحان کا سب سے زیادہ اہم اور سخت ترین موقع "جنگِ عظیم" اور "ترک موالات" کا دَور تھا۔ آپ اس زمانہ یعنی ۱۹۱۴ء میں دھولپور کے جوڈیشل منسٹر تھے۔ آپ نے جنگ اور ترک موالات کے شروع ہوتے ہی اپنے اوپر خواب وخور حرام کرلیا اور ریاست کے کاروبار اور فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے ساتھ رنگروٹوں کی بھرتی، قرضۂ جنگ، اصلاح خیالاتِ عوام، چندہ اور وسائل فراہمیٔ چندہ میں شب وروز لگے رہے۔

۱۔ رنگروٹ، قرضہ وچندۂ جنگ اور امن سبھا

اُنھوں نے اپنی مسلسل و متواتر کوششوں کی بدولت دھولپور جیسی چھوٹی سی ریاست سے تین ہزار سے زیادہ فوجی رکروٹ بھرتی کرائے، اور تین لاکھ سے زیادہ روپیہ چندہ اور قرضۂ جنگ میں دلایا۔ امن سبھاؤں کے قیام میں امداد کی ان کے لئے پسندیدہ وکامیاب خدمات انجام دیں۔

۲۔ قلمی خدمات

اِس کے علاوہ آپ نے اپنی مدۃ العمر کی دلچسپ شے یعنی اپنے قلم کو حکومت کی خدمت کے واسطے وقف کردیا اور بیشمار اُردو، ہندی اور انگریزی رسائل مختلف مفید موقع عنوانات پر تحریر کرکے اپنی جیب خاص سے دو ڈھائی ہزار روپیہ کے صرف سے انھیں طبع کرایا اور طول وعرضِ ہند میں مفت تقسیم کیا۔

یہ کتابیں زیادہ تر مندرجۂ ذیل عنوانات پر تھیں۔

(۱) **قرضۂ جنگ**:۔ اس سلسلہ میں کتبِ ذیل ہیں:

(ا) **جوشِ وفاداری**:۔ ایک مختصر قصہ جس میں کل حالات و شرائط جدید قرضۂ جنگ کے درج ہیں۔

(ب) **اُدھار اپدش**:۔ یہ "جوشِ وفاداری" کا ہندی ترجمہ ہے۔

(۲) **فوجی بھرتی**:۔ اس کے ذیل میں یہ کتابیں ہیں:

(ا) **ادائے فرض**:۔ سرکاری فوج میں بھرتی کے متعلق ایک مکالمہ۔

(ب) **حق نمک**:۔ جنگِ یوروپ کے متعلق ایک قصہ۔

(ج) **وقتِ امتحان**:۔ بھرتی اور قرضۂ جنگ (دونوں) کے متعلق ایک مکالمہ۔

(د) **کرتب پالن**:۔ ہندی زبان میں ادائے فرض کا ترجمہ۔

(۳) **گورنمنٹ کا برسرپیکار ہونے میں حق بجانب ہونا ترکِ موالات کے نقصانات اور موالات کے فوائد۔**

(ا) **ذکر شاکر**

(ب) **انجامِ فساد**:۔ ایک فرضی قصہ جس میں شور و شرِ بیجا کے نتائج دکھائے گئے ہیں۔

(ج) **صلاحِ نیک**:۔ ملازمانِ سرکار، تعلقداران، زمینداران، کاشتکاران، وکلاء، طلباء اور گورنمنٹ پنشنروں نے جو فائدے دولتِ برطانیہ سے اُٹھائے اور اُس کے خیرخواہ بنے رہنے میں جو اور حاصل کر سکتے ہیں، اُن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(د) **مکالمۂ دلچسپ**:۔ ترکِ موالات، دار الحربیت ہند اور علماء کے شر پسیاسیات

ہونے کی مخالفت میں ایک مکالمہ۔

۵۔ترکی کی حماقت:- جب سلطنتِ عثمانیہ (ٹرکی) اپنے قدیم ترین محسن اور دوست دولتِ برطانیہ کے اقتدار کو چھوڑ کر دولتِ المانیہ (جرمنی) کی چالبازی کا شکار بنی اور اس کے ساتھ ہو کر شریکِ جنگ ہوئی اور خود غرض لیڈروں کی غلط رہنمائی کی بنا پر مسلمانانِ ہند میں جن کے لیئے ہندوستان میں برٹش حکومت سایۂ رحمتِ الٰہی ہے، دولتِ برطانیہ کے خلاف سلطنتِ ٹرکی کے ساتھ ہمدردی کا جوش پھیلنا شروع ہوا تو قاضی صاحب کی نظر دوربین کے سامنے سلطنتِ ٹرکی کی تباہی اور اُس کی خاطر مسلمانانِ ہند کی بربادی کا مرقع گردش کرنے لگا اور اُنھوں نے اس نام سے ایک دلچسپ اور مؤثر مکالمہ لکھ کر شائع کیا۔

ان کتابوں کا دراصل ہندوستان کی پبلک پر بہت اچھا اثر ہوا اور لوگوں کے خیالات کی بیحد اصلاح ہو گئی۔ کتبِ مذکورۂ بالا کے دلچسپ، مؤثر اور مفید و پسندیدہ ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود گورنمنٹ اور خیرخواہانِ گورنمنٹ نے ہر ہر کتاب کے کئی کئی ایڈیشن اپنے صرفہ سے چھپوا کر فوج اور عوام میں تقسیم کرائے، اخبارات نے اپنے یہاں ہر کتاب کو شائع کیا اور لوگوں نے دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔

ان کتابوں کے علاوہ صدہا مضامین انگریزی اور اُردو اخبارات میں لکھ کر شائع کرائے۔ آپ کے انگریزی مضامین کا ایک مجموعہ "لے فیولیٹرس ان وار سبجیکٹس" کے نام سے پائنیر پریس الٰہ آباد میں چھپکر شائع ہوا ہے جو مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ وہ مضامین ہیں جو آپ وقتاً فوقتاً انڈین ڈیلی ٹیل گراف

پانیر، لیڈر اور سول اینڈ ملٹری گزٹ نامی انگریزی موقر جرائد میں لکھتے رہے ہیں۔

(۱) دی امپریل وار ریلیف فنڈ (شاہی امدادی قرضہ جنگ)

(۲) دی فرسٹ وار لون (اولین قرضہ جنگ)

(۳) اُوَر ڈیوٹی ایٹ دِس موومینٹ (اس تحریک پر ہمارا فرض)

(۴) دی وار اِن یورپ اینڈ دی انڈین مسلمانس (جنگِ یورپ اور ہندوستانی مسلمان)۔

(۵) نیو وار لون (جدید قرضۂ جنگ)

(۶) دی کرنسی کوئسچن (سوال سکۂ کاغذی)

(۷) ہاؤ کین وی ہیلپ دی گورنمنٹ؟ (ہم کس طرح حکومت کی مدد کر سکتے ہیں؟)

غرضیکہ بذاتِ خود اور بمنشائے پبلسٹی ڈپارٹمنٹ آپ نے بے انتہا پروپیگنڈے سے کام لیا جس کی وجہ سے حکومت پبلک کی اور پبلک حکومت کی نظر میں شکارِ بدگمانی بننے سے محفوظ رہی۔

۲- حکومت کا اعتراف اور صلۂ خدمات چونکہ انعام اور خطابات کے معاملہ میں وہ قطعی طور پر بہت قانع اور ساکت واقع ہوئے ہیں اور کبھی اشارۃً وکنایتہً بھی اظہارِ خواہش نہیں کرتے جس کے متعلق ہم نے بابِ ہفتم میں بہ عنوان "اعزاز و خطابات" مفصل تذکرہ کیا ہے اس لیے گو حکومتِ ہند اور خود ملک معظم نے ان کی خدمات کا بااحسن وجوہ اعتراف کرتے ہوئے اُن کو اسنادِ خوشنودی مزاج مرحمت فرمائیں اور رکر رسہ کر شکریہ بھی ادا کیا لیکن پھر بھی

جیساکہ چاہیئے تھا اِن زرّین اور بیش بہا خدمات کا اُنھیں صلہ ملا۔ گورنمنٹ کو انہیں کم از کم "سر" کا خطاب ضرور دینا چاہیئے تھا۔

(۱) ترجمہ سند منجانب اعلیحضرت ملک معظم

جنگ ۱۹۱۴-۱۹۱۹ء

خان بہادر قاضی عزیزالدین احمد آئی۔ ایس۔ او۔ دھولپور "لندن گوٹ"

کی اشاعت ۸ جولائی ۱۹۱۹ء میں آپ کی جن بیش بہا خدماتِ دورانِ جنگ کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے سلسلہ میں مجھے ملک معظم کی بارگاہ سے یہ حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ ہز مجسٹی آپ کی خدمات کی قدر کرتے ہیں۔

دفترِ جنگ

تالار ابیض (وہائیٹ ہال)۔ ایس۔ ڈبلیو
یکم جولائی ۱۹۱۹ء

(دستخط) ونسینٹ چرچل سکرٹری
آف اسٹیٹ برائے جنگ

---

(۲) ترجمہ سند منجانب حکومت ہند

یہ سند خان بہادر قاضی عزیزالدین احمد جوڈیشل سکرٹری ہز ہائی نس مہاراجہ دھولپور کو حسب الحکم وایسرائے و گورنر جنرل ہند اُن خدمات کے صلہ میں عطا کی جاتی ہے جو اُنھوں نے جنگِ عظیم کے زمانہ میں انجام دیں اور جو کہ بیحد قابلِ قدر ہیں۔

مرقومہ شملہ یکم جون ۱۹۱۹ء

(دستخط) اے۔ ایچ۔ بینگلے میجر جنرل
سکرٹری ٹو دی گورنمنٹ آف انڈیا۔ آرمی ڈپارٹمنٹ

(۲) ترجمۂ سند عطا کردہ آنریبل ایجنٹ گورنر جنرل، راجپوتانہ قرضۂ جنگ

بحکم ہز ایکسیلنسی گورنر جنرل مع کونسل یہ سند قاضی عزیز الدین احمد خان بہادر، آئی-
ایس-او- او-بی-ای- جوڈیشل سکریٹری ریاست دھولپور کو اُن کی ان پسندیدہ
خدمات کے صلہ میں عطا کی جاتی ہے جو اُنھوں نے قرضۂ جنگ بابتہ ۱۹۲۷ء کے ذیل میں انجام دیں

دستخط، آر- ای- ہالینڈ
ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ
کیمپ اجمیر
۱۸ر مارچ ۱۹۲۱ء

ہز ایکسیلنسی سر چارلس کارمیکل مونرو- جی، سی، بی، - جی، سی، ایس،
آئی- جی، سی، ایم، جی- نے، ڈی، سی کمانڈر انچیف ہند نے اپنے خط میں جو
لنڈن گزٹ کی اشاعت ۲۰ر جولائی ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا اور جس میں آپنے ہندوستانی
انگریز، سرکاری، غیر سرکاری سپاہ کا خواہ وہ شریک جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور ان
لوگوں کا جنھوں نے لڑائی میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں منجانب گورنمنٹ و محکمہ
جنگ و فوج شکریہ ادا کرتے ہوئے لایق تحسین کام کرنے والوں کی ایک فہرست بھی
شائع کی تھی- اس میں سہ فہرست "قاضی صاحب" کا نام نامی تھا۔ عا

عا دیکھو انڈین اکسٹرا ڈنری گزٹ شملہ بابت ۲۹ر جولائی ۱۹۲۹ء ۱۲
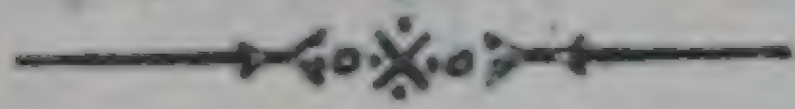
(۵) ترجمہ خط کرنل اے۔ڈی۔بینرمین۔سی۔آئی۔ای + سی وی۔او۔
پولیٹیکل ایجنٹ ایسٹرن راجپوتانہ اسٹیشن مؤرخہ ۲۲ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء

میں مشرقی راجپوتانہ اسٹیشن ایجنسی کو چھوڑتے ہوئے یہ امر ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میرے چار سالہ

پولیٹیکل ایجنٹی کے عہد میں آپ نے اپنی قابلیت اور سمجھداری سے جو ڈیشل سکرٹری دھولپور کا کام انجام دیا

اور دربار و ایجنسی کے تعلقات بہت خوشگوار رکھے۔ اِن معمولی باتوں کے علاوہ آپ نے لڑائی کا چندہ

اور لڑائی کا قرضہ اور رنگروٹ دینے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آپ کے رسائل (پمفلٹ) نے بہت بڑا

کام کیا اور وہ بہت مفید ثابت ہوئے اور اُنھوں نے لوگوں کو بتلا دیا کہ برٹش ایمپائر کس لیے

مصروفِ جنگ و پیکار ہے۔ آئی۔ایس۔او کا خطاب جو کہ آپ کو گورنمنٹ سے عطا ہوا ہے وہ

اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حکومتِ ہند نے آپ کے کاموں کو بہت پسند کیا ہے میں نے آپکو

ہمیشہ خوش خلق اور ایماندار پایا ہے میں اور بہت سی ذاتی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتا

ہوں اور اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے قابل اعتماد و شریف آدمی کے ساتھ

مجھے کام کرنے کا موقعہ ملا۔ ....

لیکن میرے خیال میں حقیقی صد ہا بہت ملاعینی وہ دعائیں جو اُن لوگوں کے مطمئن قلوب سے نکلیں جو قاضی صاحب کے مضامین و رسائل وغیرہ کے مطالعہ سے ضیاعِ مال ضیاعِ ملازمت اور غداری وغیرہ کے بدنما داغ سے محفوظ رہے۔

باب ششم (۶)

ادبی خدمات

قاضی صاحب کو اوائل عمر ہی سے ادبی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ۱۳-۱۴ برس کی عمر سے اُردو اخبارات دیکھنے اور اُن میں مضامین لکھنے کے شائق تھے۔ گو انہیں باقاعدہ انگریزی تعلیم نہ مل سکی لیکن چونکہ عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور اُن کے باپ اور دادا دونوں اپنے عہد کے مشہور انشا پرداز تھے، اس لئے اُردو انشا پردازی کی جانب ان کا رجحان فطری و لازمی شے تھا۔ لہذا سب سے پہلے ۱۸۶۶ء میں انھوں نے اخبار "نورالانوار" کانپور اور "اودھ اخبار" لکھنؤ میں اودھ کے ممالکِ مغربی و شمالی سے الحاق کی مخالفت میں مضامین لکھ کر شائع کیے۔ اور جب ۱۸۷۷ء میں "اودھ پنچ جاری ہوا، منشی سجاد حسین۔ بی۔ اے مرحوم، پنڈت تربھون ناتھ ہجر سے اور ان سے مراسم بڑھے اور موخرالذکر سے اور ان سے پرتاب گڑھ میں بھی ساتھ ہو گیا تو "عزیز ناچیز" "زیرزح" اور مختلف اسمار سے مختلف معاملات پر "اودھ پنچ" میں بہ کثرت مضامین لکھے۔ خلیل آباد کی تحصیلداری کے زمانہ میں اخبار "ہندوستانی" لکھنؤ اور "ریاض الاخبار" میں مضامین لکھتے رہے علاوہ ازیں اخبار "عام" "مشرق" "ہمدم" "پیسہ اخبار" "البشیر" وغیرہ برابر آپ کے رشحاتِ قلم سے مستفید ہوتے رہے (اور ہوتے رہتے ہیں) آخر کار یہ شوق بڑھتے بڑھتے دائرۂ اُردو سے باہر ہوا اور "انڈین نیشنل کانگریس" کے ابتدائی زور شور کے زمانہ یعنی ۱۸۸۸ء سے اس کی مخالفت کے سلسلہ میں انگریزی مضمون نگاری بھی شروع کر دی اور اس وقت بھی کہ قاضی صاحب کی عمر کا تی، ان کے قویٰ جلوہ زارِ انحطاط میں اُن کے قویٰ ذہنیہ جوان اور جذبۂ مضمون نگاری تازہ ہے۔ درمیان میں یک بیک

آپ کے اس قابلِ قدر جذبہ نے رخ بدلا اور ایک اور مفید و مستقل صورت اختیار کی یعنی آپ اخلاقی ناول نگاری اور دوسری مفید کتابوں کی تصنیف و تالیف کی جانب متوجہ ہو گئے اور اس میدان میں آپ کی طبع شگفتہ نے خوب خوب گلکاری کی۔

آپ کی تصنیف کردہ اُردو، ہندی، اور انگریزی کتب و رسائل کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا اتنا ہی دشوار ہے جتنا آپ کے شائع کردہ مضامین کے شمار کا بتلانا ناممکن۔ خود آپ کے پاس بھی اپنی ذاتی تصنیفات کا نہ کوئی ذخیرہ ہے اور نہ یادداشت جس سے اندازہ لگایا جا سکے۔ بروایت اخبار "ریاست" دھلی[۲] صرف اُردو زبان میں آپ اِس وقت تک تین درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں[۱] اور قاموس المشاہیر سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ ۵۰ سال میں کوئی ایسا اہم واقعہ ہندوستان میں رونما نہ ہوا ہوگا جس کے متعلق قاضی صاحب نے اُردو یا انگریزی اخبارات میں مضمون نہ لکھے ہوں یا کوئی رسالہ شائع نہ کیا ہو۔

۱۔ اُردو تصنیفات قاضی صاحب کی اُردو، تصنیفات تالیفات سب سے بڑی تین مندرجۂ ذیل قسموں پر تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ (۱) غیر سرکاری (۲) سرکاری (۳) نیم سرکاری

(۱) غیر سرکاری کتابوں کے ذیل میں جو کتابیں ہیں اُن میں مشہور صنفِ رومان (ناول) اخلاقی کا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اگر اُردو زبان میں بذریعہ ترجمہ منتقل شدہ ناولوں سے قطع نظر کر لی جائے تو طبعزاد ناولوں کا ایسا سرمایہ جس پر لفظ "ناول" کا بہمہ وجوہ صحیح اطلاق ہو سکے باوجود اس کے کہ عرصۂ دراز تک بے شمار ناول لکھے گئے اور رومان نویسوں کا ایک اچھا خاصہ گروہ پیدا ہو گیا بہت ہی کم نظر آئے گا۔

طول و عرضِ ملک میں منجملہ بہت سے مشہور رومان نگار حضرات کے مولانا شرر مرحوم اور طبیب بابپوری

---

[۱] دیکھو "ریاست" دھلی مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۶ = ۱۲۔ [۲] مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔

شہرت خاص رکھتے اور فلکِ رومان نگاری کے آفتاب و ماہتاب تصور کئے جاتے ہیں لیکن اگر فنِ ناول نویسی کی کسوٹی پر اُن کے ناول کسے جائیں تو بعض بعض کامل نہ اتریں گے الا مرزا رسوا کے ناول ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

ضرور اس قابل ہیں کہ ان سب کو صحیح ناول کہا جا سکے۔

ناول نگاری درحقیقت سوسائٹی کی عام نباضی، مختلف تہذیبوں، نفسیات و واردات اور رنگا رنگ معلومات کا نتیجہ ہوتی ہے ایک شخص جس نے دنیا اور اہلِ دنیا کے حالات پر غور و خوض نہ کیا ہو ناول نگار نہیں بن سکتا۔

قاضی صاحب جن کی حیات پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ ابتدائے سنِ تمیز سے مدتہائے دراز تک مختلف مصائب کا شکار رہے، ابنائے روزگار کی نیرنگیوں نے انہیں کبھی بنایا کبھی بگاڑا، ہر طرح کی صحبتیں میسر آئیں، ہندوستان کے طرح طرح کے انقلاب بداماں دور دیکھے، اپنی ہر دل عزیزی و بے تکلفی کے باعث انہیں ہر قسم اور ہر رتبہ کے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقعہ ملا اور ذوقِ علمی و شوقِ معلومات نے عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی کی صدہا تصنیفات و تالیفات نظر سے گزار دیں مزید برآں اُس قوم کے جو مذاقِ ناول نگاری میں فرد ہے یعنی اہلِ مغرب کے ہمدم و ہم جلیس رہے اور اردو انگریزی کے مشاہیر اہلِ قلم و انشا پرداز حضرات سے اُن کا ساتھ رہا ان کو اس میدان میں بالاتر ہونا چاہئے تھا اور ہوئے۔ آپ کے ناول اگر بغور مطالعہ کئے جائیں تو نقطۂ ناول نگاری سے یہی نہیں کہ ان میں کوئی کوتاہی نظر نہ آئے گی۔ بلکہ وہ اِس شعبہ کے شاہکار اور قابلِ تقلید مثال ثابت ہوں گے۔

رومان نویسی میں جذبات کی ترجمانی، واردات کی مصوری اور واقعہ نگاری ایک شئے خاص ہے اور اس کے لئے ہر قسم کے جذبات، طرزِ ادا اور طرزِ تکلم کی معلومات ایک ضروری چیز اور چوں کہ ہمارے

مذکورہ بالا امور کے موافق وہ اس میں فرد ہیں اس لیئے اُن کے ناول 'ناول' نہیں بلکہ واقعات کے مرقعے ہیں۔ ہم اس امر کے نمایاں کرنے کے واسطے "ثمرۂ دیانت" کے خاص حصے نقل کرتے ہیں۔

وہ موقع ہے کہ اس کتاب کا ہیرو محض اپنی ایمان داری اور انسدادِ رشوت کے جرم میں غیر متدین اہلِ عملہ کی چالوں کا شکار ہو کر خواہ مخواہ ایک مجسٹریٹ کی نظر میں مشکوک، معزور اور نامعقول آدمی ثابت ہوا ہے۔ اس پر فرضی اور بے بنیاد مقدمہ چلایا جاتا ہے اور وہ سزا پاکر جیل خانہ جاتا ہے۔

(۱) وہ رئیس زادہ جس کے ہاتھوں میں پھولوں کا زیور بار ہو ڈیڑھ پاؤ کی زنجیریں پہنے جس کے پیروں میں سونے کے کڑے بھی بوجھ تھے ان میں وزنی بیڑیاں جکڑی ہوئی ہوں۔ وہ نونہالِ گلشن جس کا باپ امیر ابنِ امیر، جس کا دادا اسی شہر کا حکمراں ہو وہ انقلابِ زمانہ کی بدولت اس بیکسی سے جیل خانہ جاتا ہے۔ جس کی شادی کی تیاریاں تھیں اس کے جیل خانہ کی برات سج رہی ہے۔ ہزاروں بڈھے جوان عورت مرد۔ بھی سسرال پہونچانے کو ہمراہ ہیں شورِ قرنا کے بدلے ہر طرف شورِ بکا ہے اور ہر شخص شکل اخگر خاک آلودہ ہے۔ جو ہے فرطِ سینہ زنی سے سینہ کبود آتشبازی کے بدلے چہروں پر ہوائیاں شہنائی کے عوض لبوں پر واویلا ہے اور گیتوں کے عوض سب لوگ نالہ کناں ہیں۔ ہے ہے وہ شخص جو آج کے ایک دن پہلے اس شہر کا حاکم فوجداری تھا جو خود مجرموں کو جیل خانہ بھیجتا تھا آج خود قیدی بنا ہوا جا رہا ہے۔ میر دیانت حسین[1] نے جس وقت سے قید کا حکم سُنا ایک سکتہ کی حالت میں تھے نہ روتے نہ چلاتے نہ شور مچاتے بلکہ خدا کی قدرت پر غور کرتے تھے۔ جس وقت ان کو جیل لئے جاتے تھے لالہ ہیروں لال کے اشارے سے پولیس نے ان کو شہر میں ہو کر لے جانا چاہا ہو نہ تھوڑی دور چلے تھے کہ ہزارہا آدمیوں کا ہجوم ہوا اور برابر پھولوں کی بارش ان پر ہونے لگی جس راستہ سے نکلتے صدہا گلدستے اُن پر پھینکے جاتے تھے۔ گورنمنٹ کالج کے طالب علموں نے اس وقت ماتمی لباس پہنا اور ننگے سر جیل تک

---

[1] - ہیرو کا نام ۱۲ -

پہونچانے کو اُن کے ہمراہ ہوئے تمام بازار والوں نے دوکانیں بند کر دیں۔ شہر میں ایک قیامت برپا ہو گئی تمام رؤسائے شہر اس مظلوم قیدی کے ساتھ تھے کچہری کلکٹری سے جیل کے دروازے تک آدمیوں کا تانتا لگا ہوا تھا جیل کے پھاٹک پر باتہ ہمردیانت حسین نے سب کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور کہا ؎

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا!

تنقید باعثِ تطویل ہوگی ورنہ ایک ایک نکتہ کی تشریح کرکے دکھلائی جاتی۔ بہرحال منصف مزاج اور اہلِ علم غور کریں گے تو منظر کشی، سلاست، روانی، مختلف لوگوں کی مختلف حالتیں غرض کیا ہے؟ جو ان چند سطور میں موجود نہیں۔ بے مبالغہ فقرات نہیں اشعار منثور ہیں۔ ایک ایماندار کا محض اپنی ایمانداری کی وجہ سے شکارِ مصائب ہونا، اس کی رئیس زادگی، ایمانداری، لوگوں کو اس کی ایمانداری کا تیقن دشمنوں (بیروں لال وغیرہ) کا ذلیل کرنے کے لئے شہر کی طرف سے ہو کر جیل پہونچوانا، ہیرو کی مظلومیت کا خداداد اثر، دوکانوں کا بند ہونا، پھولوں کا مینھ برسایا جانا تعلیم یافتہ طبقہ اور طلبا کے گروہ کا اظہار تاسف اور ان کے اظہارِ ماتم و رنج کے طریق وغیرہ وغیرہ یہ تمام اُمور ہیں جن کو پڑھنے والا معمولی نظر میں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس پر درد اس بلا کا ہے کہ کوئی صاحبِ دل پڑھ کر بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔

اس کے بعد بے قرار ماں جیل کے دروازے کے قریب پہونچتی ہے، بیٹے کو اس عالم میں دیکھ کر معاً غش کرتی اور پھر ہوش میں آکر کہتی ہے۔

(۱) میری جان! اماں تم پر واری۔ ایسی بے مروتی اختیار کی کہ زنداں سدھارنے سے پہلے بڈھی ماں کو دیدار سے محروم رکھا۔ میرا جینا تمہارے دم تک تھا۔ تمہارے ابا کے مرنے کے بعد تمہیں دیکھ دیکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتی تھی۔ ہے ہے مجھ رانڈ دکھیا کو آج بے وارث ہونا پڑا۔ اے لوگو!

میرے لال کو مجھ تک تو لاؤ۔ لمحہ وماں گور کنارے ہے آخری دیدار تو دکھا جائیں لوگوں!
دن دھاڑے ملکہ کے راج میں میری چھتیس برس کی کمائی لٹی جاتی ہے اور میرے خاندان کا
نام خاک میں ملا جاتا ہے کیا لوگو! قیدی ہونے سے لہو بھی سفید ہوجاتا ہے؟ میرا لال مجھے دیکھنے نہیں آیا۔
سطورِ بالا میں واری، سدھارے، بے وارث ہونا، لال زنانی زبان کا خاص انداز ہے علاوہ ازیں
محاکات کی ایک خاص کیفیت پائی جارہی ہے، غم وغصہ میں انسان کی عقل بے کار ہوجاتی ہے۔ یہ فقرہ

لوگو قیدی ہونے سے ..... دیکھنے نہیں آیا

اسی کیفیت کا مظہر ہے۔ گویا شدت رنج و تعب نے یہ خیال کہ قیدی بلا اجازت کسی سے مل جل نہیں سکتا
فراموش کر دیا۔ اسی کے ساتھ پردہ نشین بزرگ مستوراتِ ہند کی قانونی ناواقفیت کی جھلک بھی نمایاں
ہے۔ "آخری دیدار تو دکھا جائیں" میں اعزازی فعل کا استعمال ہونا انتہائی زنانہ بزرگانہ شفقت و
محبت کا اظہار کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے ناولوں نے جو مقبولیت حاصل کی وہ اظہر من الشمس ہے ہم ہر ایک کی قدر دانی کا تذکرہ
اُسی کے ضمن میں کر دیں گے۔

۱۔ ثمرۂ دیانت:- یہ اُن کا سب سے پہلا ناول ہے جو ۱۸۸۴ء میں تصنیف و شائع کیا گیا۔ اس
ناول میں ماتحت اہلکاروں اور اہلِ عملہ کی رشوت ستانی کا خاکہ اڑایا اور لوگوں کو تدین پر آمادہ کیا
گیا ہے۔ یہ اپنے قسم کی اُردو زبان میں پہلی تصنیف ہے۔

سر الفرڈ لائل لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ جو اُردو کے ساتھ مذاق سلیم اور اس میں خاص قابلیت
رکھتے تھے اس کتاب کے مطالعہ سے بے حد خوش ہوئے اور ایک چٹھی میں تحریر فرمایا۔

ہز آنر اس کتاب کو نہایت دلچسپ و سبق آموز تصور فرماتے ہیں اور اس کے ہر کامیابی کے خواہاں ہیں
یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ گورنمنٹ نظام نے سر آسمان جاہ مرحوم کے زمانۂ وزارت میں اس کے

ہزارہا نسخے خرید فرما کر حیدرآباد میں تقسیم کئے اور قریب قریب تمام ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اس کے بعد چند اور ناول لکھے، جن میں خاص طور پر مندرجۂ ذیل قابلِ تذکرہ ہیں:

۲۔ کنیز فاطمہ :۔ گو اس میں پلاٹ ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے تاہم انھوں نے قصہ کی صورت میں تعلیم نسواں اور عورتوں کی آزادی وغیرہ پر دلچسپ بحثیں کی ہیں۔ زبان کی حیثیت سے اس کتاب کو خاص طور پر پسندِ عام کا تمغہ ملا اور وہ عرصہ تک انگلستان میں سول سروس کے امتحان میں بطور نصاب (ٹیکسٹ بک) کے رائج رہی۔ گجراتی، ہندی اور مرہٹی زبانوں میں اس کے ترجمے شائع کئے گئے اور بمبئی کے تھیٹروں میں ڈراما کے طور پر بھی استعمال کی اور کھیلی گئی۔

۳۔ شماتتِ ہمسایہ :۔ قاضی صاحب کی تصنیفات میں سب سے زیادہ سبق آموز کتاب ہے۔ اس میں مسلمانوں کے طرزِ معاشرت، فیشن کے شوق، انگریزی فضول خرچی اور میموں کے ساتھ شادی وغیرہ جیسے اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کو بھی بہت سے موقر اہلِ قلم حضرات نے مختلف ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ کرکے شائع کیا اور اسے غیر معمولی ہر دل عزیزی حاصل ہوئی ہے۔ اس کی شانِ تصنیف کے متعلق ہم کو موثق ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ قاضی صاحب کے چھوٹے بھائی قاضی خلیل الدین احمد صاحب مرحوم وزیر اعظم بجاور اُس زمانہ میں تحصیل چنار ضلع مرزا پور میں نائب تحصیلدار تھے۔ قاضی صاحب کو اپنے بھائی سے بے حد محبت تھی، جب اُنہیں معلوم ہوا کہ مرحوم چنار میں چھوٹے درجہ کے انگریزوں کی صحبت، ریلوے گارڈ اور انجن ڈرائیوروں کی سوسائٹی میں وقت ضائع اور روپیہ برباد کر رہے ہیں تو ان کا دل محبتِ برادرانہ سے بیتاب ہوگیا اور انھوں نے ان کی عبرت کے واسطے یہ کتاب تصنیف کی تھی۔ یہ مسئلہ کہ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے مسلم الثبوت ہے، اس لئے اس کتاب کا ایسا اچھا اثر ہوا کہ قاضی خلیل الدین احمد صاحب نائب تحصیلدار چنار ایک صفیہ سلیم الطبع اور نیک نام افسر بن کر خان بہادر قاضی خلیل الدین احمد او بی۔ ای کہلائے ریاست بجاور کے

منصبِ وزارت تک پہونچے اور ہندوستانی سوسائٹی میں غیر معمولی ہر دل عزیز و قابلِ تقلید ہستی ثابت ہوگئے۔

۴۔ مہراجیا:۔ ایک چھوٹا سا قصہ ہے جس کا مبحث ہندوؤں کے یہاں شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی کا تدارک اور اُن میں سوشل ریفارم ہے۔

۵۔ انہیں کتابوں کے تصنیفات کے دوران "دلیپ سنگھ کے حالات" پر ایک کتاب جس کا تذکرہ ہم باب پنجم میں کر آئے ہیں اور "آدابِ فرنگ" تصنیف کی۔ موخر الذکر میں انگریزی سوسائٹی کے ایٹی کیٹ اور طرزِ معاشرت کے متعلق مکمل ہدایات جمع کی ہیں اس میں اس کتاب کو بھی ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے۔

ناولوں سے اغراض اور مختلف مضامین پر تصانیف

یہ تمام کتابیں ۱۸۹۰ء تک لکھی گئیں۔ اس کے بعد غالباً ناول نویسی کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور مختلف مضامین پر قلم اٹھایا جس کی ابتدا بظاہر موخر الذکر کتابوں سے ہوئی ان میں سے حسب ذیل قانونی کتابیں ہیں جو حکام، وکلا، ملازمین اور عوام کے افادے کے لئے لکھی گئیں۔

۱۔ شرح ضابطہ فوجداری:۔ ۱۸۹۵ء میں لکھی اور بے حد مقبول ہوئی۔

۲۔ مفید الملازمین:۔ اس کتاب میں ملازمانِ گورنمنٹ کے طرزِ عمل کے متعلق قواعد ہیں۔ یہ درحقیقت مسٹر بوس ایم۔ اے اور مسٹر بدم جی اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کی ایک مشترکہ انگریزی تصنیف کا سلیس اُردو میں خلاصہ ہے۔

۳۔ مفید الحکام:۔ اس کتاب میں ہندوستانی مجسٹریٹوں کو فوجداری مقدمات فیصل کرنے کی ہدایتیں اور طریقے بتلائے گئے ہیں۔ یہ بھی بے حد پسند کی گئی۔

۴- شرح قانون مالگزاری:- قانونِ قدیم کے سنہ میں ترمیم منسخ ہونے پر جو قانون مالگزاری مرتب ہوا اس کی شرح۔ قاضی صاحب نے اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں اکبر اعظم کے عہد سے لیکر اس وقت تک کے مختلف اصولِ مالگزاری درج ہیں۔

۲- سرکاری کتابوں کے ذیل میں مندرجۂ ذیل کتابیں ہیں جو عموماً انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

۱- ترجمہ قانون مالگزاری:- اپریل اور مئی سنہ ۱۹۰۲ء میں بحکم لفٹنٹ گورنر صوبہ سکریٹیٹ میں کارِ خاص پر متعین ہو کر قانون مذکور کا ترجمہ کیا۔ اور حکومت صوبہ سے خراجِ دادِ تحسین لیا۔

۲- ورودِ شاہنشاہی:- سنہ ۱۹۱۱ء میں جو دربار بمقام دھلی ہوا اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو گبریل نے بمنشائے حکومتِ ہند قاضی صاحب کی امداد سے "امپیریل وزٹ" نامی کتاب انگریزی میں تصنیف کی اور قاضی صاحب نے بحکم حکومت اِس نام سے اس کو ہندوستانی جامہ پہنایا۔ اس کتاب کو رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنس نے اپنے مطبع واقع لاہور میں انتہائی نفاست کے ساتھ طبع کیا ہے اور منجانب حکومت اس کی قیمت مقرر ہوئی ہے۔

۳- کارروائی جنگی کانفرنس:- جنگی کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۱۷ء کی روئداد کا ترجمہ جو حکومت کی منشا کے مطابق کیا گیا۔

۳- نیم سرکاری کتابوں کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

۱- ذکرِ شہنشاہ:- سوانح عمری شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم خلد مکانی بموقع دربار دھلی سنہ ء میں تصنیف کی گئی

۲- تذکرۂ ولی عہد:- سوانح عمری شہنشاہ جارج پنجم خلد اللہ ملکہ و دولتہ و سلطنتہ بحیثیت پرنس آف ویلز کے ہندوستان تشریف لائے تھے تصنیف کی گئی تھی بعد میں تخت نشینی دہلی وغیرہ کے حالات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں

۳- ذکرِ ولی عہد:- موجودہ پرنس آف ویلز کی سوانح عمری یہ کتابیں موصوف کی تشریف آوری کے عین موقع پر تصنیف کی گئیں اور جہاں حضور پرنس آف ویلز کا دورہ ہوا استقبالیہ کمیٹی اور دو سار کی جانب سے تقسیم کی گئیں۔

یہ تینوں کتابیں عام پسندیدگی کا خلعت حاصل کر چکی ہیں اور قریب قریب ہر صوبہ کی ٹکسٹ بک کمیٹیوں نے بغرض تقسیم انعام طلبا کیلئے منظور فرمایا ہے کئی زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور ہر ایک کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور جب سنہ ۱۹۲۱ء میں موجودہ حضور پرنس آف ویلز کی خدمت میں پیش کی گئیں تو ہز رائل ہائی نس نے اظہارِ تحسین و تشکر کیا چنانچہ سر جیوفرے ڈی مونٹ مورنیس ایچ، سی، ڈی، او، سی، آئی، ای، سی، بی، ای چیف سکریٹری حضور ممدوح اپنے خط مرقومہ ۲۳ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں رقم طراز ہیں۔

۱۴ دسمبر کے خط کا بے حد شکریہ - میں نے تینوں کتابیں ہز رائل ہائی نس کے حضور میں پیش کیں حضورِ ممدوح نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں موصوف کی جانب سے آپ کے پُرجوش کام کا شکریہ ادا کروں۔ میں نے بندگانِ والا سے آپ کی طویل خدمات اور حسنِ کارگزاری کا تذکرہ کیا تو ممدوح نے یہ سُن کر بیحد ہی اظہارِ مسرت کیا کہ آپ ۴۳ سال سے وفادارانہ خدمات انجام دے رہے ہیں

۴ - سیرِ دربار :- اس میں دربار دہلی سنہ ۱۹۰۲ء کے مشرح حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔

جنگ عظیم اور ترکِ موالات کے زمانہ میں جو رسائل آپ نے تحریر فرمائے (اور جن کا مفصل تذکرہ ہم باب پنجم میں کر آئے ہیں) وہ بھی فرداً فرداً ان اقسام سہ گانہ میں سے کسی ایک کے تحت میں آجاتے ہیں۔

۲ - ہندی تصانیف

قاضی صاحب کی ذات قابلِ صد داد ہے کہ انھوں نے بہت سی چیزوں کو بالضرورت معمولی طور پر مطالعہ کیا لیکن رفتہ رفتہ وہ اپنی خداداد ذہانت سے اُن میں اُستادانہ شان پیدا کر گئے چنانچہ انھوں نے ہندی کو صرف اس زمانہ میں جب کہ اُنہیں تحصیلداری کا امتحان دینا تھا ضرورتاً حاصل کیا تھا مگر چونکہ ایک اعلیٰ اُردو ادیب کے لئے ہندی کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے انھوں نے اس پر دوبارہ غور کیا اور تھوڑی ہی توجہ میں بہت جلد مصنفانہ قابلیت پیدا کر لی اور کئی قابلِ داد کتابیں تصنیف کر کے سوادِ اعظم ہند کی

زبان کی اَزلی خدمات انجام دیدیں ۔ ان کی انہیں اعلیٰ اور بے لوث خدمات سے متاثر ہوکر "مہادھرم منڈل" نے اُن کو "راج رتن پردیں" کا خطاب دیا تھا جس کا ذکر ہم باب نہم میں خطابات کے ذیل میں کریں گے

علاوہ اُن رسائل اور کتابوں کے جن کا تذکرہ ہم نے خدماتِ جنگ کے سلسلہ میں کیا آپ کی مشہور عصر ہندی تصنیف "بدری جاترا" خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل ہے ۔

سنہ ۱۸۹۰ء میں وہ ڈپٹی کلکٹر گڑھوال تھے ۔ ہندوؤں کے متبرک مقامات کیدارناتھ اور بدری ناتھ اسی ضلع میں واقع ہیں جہاں ہر سال ہزارہا جاتری (زائرین) اقطاع و اطراف ہند سے جاتے ہیں ۔ چونکہ راستہ بہت ہی دشوار گزار ہے اور پہاڑی مقامات ایسے راستہ میں پڑتے ہیں کہ اگر نشیب ہے تو گرمی اور فراز ہے تو سردی ۔ اِس فوری تغیر و تبدل کے باعث زائرین کو سخت تکلیفوں کا سامنا ہوتا تھا ۔ قاضی صاحب نے ازراہِ ہمدردی و آزادہ خیالی خود دورہ کر کے مقامات قیام و حالاتِ آب و ہوا کے متعلق اِس نام سے ہندی زبان میں ایک بسیط کتاب لکھی اور جس قدر معلومات سفر کے لیے ضروری تھی سلیس زبان میں لکھدی جس کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص بغیر کسی سے پوچھے گچھے گھر بیٹھے سامانِ سفر مہیا کر کے آرام کے ساتھ ان مقدس مقامات کی زیارت کر سکتا ہے ۔ یہ کتاب بڑی قدر کی نظر سے دیکھی گئی اور سالہا سال تک اس کی ہزارہا جلدیں سالانہ فروخت ہوتی رہیں ۔

۳ ۔ انگریزی تصانیف

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ قاضی صاحب کو باالتزام کسی اسکول یا کالج میں انگریزی پڑھنے کا موقع نہیں ملا لیکن انھوں نے حکمراں قوم کی زبان کو جس کے جاننے پر قومی و ذاتی مفاد کا بہت کچھ دارومدار تھا سیکھنے میں حتی الامکان کوتاہی نہیں کی ۔ اُن کے انگریز مربی بھی ان کو ہمیشہ اسی پر مائل کرتے اور اس کے

متعلق پند و نصائح سے کام لیتے رہے۔ ادھر رفتہ رفتہ انگریزی قوم اور اس کی طرزِ معاشرت کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی زبان کی تکمیل کا شوق و جذبہ بھی ان کی طبیعت پر غالب آتا گیا اور وہ بکثرت انگریزی اخبارات اور کتابیں مسلسل مطالعہ کرتے رہے۔ انگریزی سوسائٹی نے اس امرِ خاص میں اور مدد دی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محض اپنی سعی ذاتی سے انگریزی زبان کے ماہر، رموزِ ادبیہ کے نکتہ شناس اور اعلیٰ انشاپرداز بن گئے اور اس زمانہ میں جو ہستیاں یونیورسٹیوں سے بڑی بڑی ڈگریاں لیکر نکلتی ہیں وہ اس میدان میں ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہونچ سکتیں۔

گو وہ اب تک کوئی خاص قابلِ تذکرہ مستقل علمی و فنی کتاب انگریزی زبان میں نہ لکھ سکے لیکن مدتہائے دراز سے موقر انگریزی جرائد میں اس کثرت سے مضامین لکھ رہے ہیں کہ انگریزی داں طبقہ میں بچہ بچہ آپ کے نام و نشان سے آشنا اور آپ کی قابلیت کا ہر کہہ و مہ قائل ہے اور یہی نہیں بلکہ آپ کی پُر نویسی نے انگریزی ادبی تلمیحات میں ایک خاص لفظ "پمفلیٹر" (رسالہ نویس) کا اضافہ کر دیا ہے اور آپ اہلِ مغرب کے دائرے میں اسی پُر معنی نام سے ایک مشہور و معروف ہستی ہیں۔

آپ کے بہت سے قابل قدر انگریزی مضامین جو ملک، حالاتِ ملک اور اصلاحِ قوم پر مشتمل ہیں کتابی شکل میں شائع ہو کر قدر و عزت کی نظر سے دیکھے اور علمی و سیاسی طبقہ میں دلچسپی کے ساتھ پڑھے جا چکے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ سوراج اینڈ دی انڈین اسٹیٹس۔

۲۔ پریزنٹ سی چوئیشن۔

۳۔ اے فیولیٹرس اون انڈین سبجیکٹس:۔ یہ مندرجہ ذیل پانچ مضامین کا مجموعہ ہے۔

(ا) تحفظ والیانِ ملک کابل۔

(ب) سوراجی اور ریاست ہائے ہند۔

(ج) شدھی موومنٹ۔

(د) راجپوتانہ اور ممالک متوسط کی یونیورسٹی۔
(ہ) صوبہ متحدہ کا آئندہ گورنر۔

۴۔ شرح انگریزی قانون مالگزاری:۔ یہ شرح مثل اُردو کے ہے۔ اس کو "ٹھیکر اسپنک" نے شائع کیا اور بہت مستند سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ شرح انگریزی مرممہ قانون مالگزاری:۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں اس شرح کو بھی اُردو شرح کے ساتھ مع ایک بصیرت افروز مقدمہ کے شائع کیا۔

۶۔ شرح انگریزی ضابطہ فوجداری:۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں اس قانون کی اردو شرح کے ساتھ لکھ کر اس کو بھی شائع کیا۔

۷۔ فروٹ آف آنسٹی:۔ اپنی کتاب "ثمرۂ دیانت" کا انگریزی ترجمہ کیا۔ جو دوسری مرتبہ گنگا پرشاد ورما کے مطبع میں چھپا۔

انشا پردازی کی مضرتیں

اِس میں ذرا شبہ نہیں کہ قاضی صاحب کی شہرت مقبولیت اور عزت کے اسباب میں سب سے بڑا حصہ ان کی قلمی سرگرمیوں کا ہے جن کی داد اکثر مواقع پر حکومت نے خطابات اور سرکاری وغیر سرکاری علمی مجالس نے ایثار کن بنانے کی صورت میں دی لیکن جہاں انہیں اپنی کتابوں، رسائل اور اخباری مضامین سے اعزاز، امتیاز اور ہر دل عزیزی حاصل ہوئی وہاں انہیں کی خاطر ان کو چند بار سخت تردداث تکلیفات مصائب اور ناگوار واقعات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

۱۔ کایستھ صاحبان کا قاضی صاحب کی مخالفت پر کمربستہ ہونا

جب انھوں نے "ثمرۂ دیانت" نامی ناول لکھ کر شائع کی تو چونکہ اس میں بددیانت اور خائن اہلکاروں اور افسروں کی رشوت ستانی کی ترکیب کی پول کھولی تھی اور اس سبب سے کہ وہ خود قریب قریب تمام عہدوں پر کام کر چکے تھے اور اہلِ عملہ کی حرکات سے خوب واقف تھے لہذا خوب ہی خوب پول کھولی تھی، بنا بریں غیر مہذب

عمال و حکام میں ہلچل پڑ گئی اور ان کے خلاف ایک عجیب و غریب چپقلش رونما ہوئی اور باوجودیکہ کتاب میں جن لوگوں کو خائن بددیانت اور رشوت خوار دکھایا گیا تھا ان میں گئی مسلمانوں کے نام بھی تھے مگر کایستھ صاحبان کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ قصہ میں ان کے ایک ہم قوم کی بُرائی کیوں کی گئی؟ "کایستھ سبھا" نے قاضی صاحب پر مقدمہ چلانے کا ارادہ کیا مگر سنجیدہ لوگوں اس فعل عبث کی اجازت نہ دی۔

۲- علی گڑھ ینگ پارٹی اور نواب محسن الملک کی بدگمانی

مذکورۂ بالا واقعہ کو دراصل قاضی صاحب کی تاریخِ مخالفت کا مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔ اِس کے بعد ہمیشہ وہ اپنی انشاپردازی کی بدولت کسی نہ کسی بدگمانی کا شکار بنتے ہی رہے۔ چنانچہ سر انیٹنی میکڈانلڈ لفٹنٹ گورنر صوبۂ متحدہ کے عہد میں جب ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء کے مابین اُردو ہندی کا خوفناک مسئلہ چھڑا ہے اور ایک خاص گروہ نے صاحبِ موصوف کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانا شروع کیا ہے تو کسی نے "شورِ بیجا" نامی رسالہ لکھ کر اُس میں صاحب ممدوح کو مسلمانوں اور اُردو کی مخالفت سے بے قصور ثابت کیا تھا۔ حالانکہ قاضی صاحب کو اُردو کے ساتھ خاص دلچسپی ہے اور وہ اس کے بڑے حامیوں میں ہیں اور جن جن ریاستوں میں رہے ہیں ہمیشہ دفتری زبان اُردو قایم رکھی مگر علی گڑھ کی جمعیۃ نوجوانان وینگ پارٹی، کو یہی شبہ ہوا کہ یہ تصنیف قاضی صاحب ہی کی ہے اور مدتوں اس غلط فہمی کا شکار بنی رہی، حتیٰ کہ نواب محسن الملک بہادر مرحوم کو بھی اسی وجہ سے اُن سے کچھ شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن بعد کو صفائی ہو گئی۔

۳- ٹرسٹیان علی گڑھ اور نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی بدظنی

ایک مرتبہ اور اس سے بھی زیادہ شورش پیسہ اخبار کے ایک مضمون نے علی گڑھ میں ان کے خلاف پیدا کی۔ اُس زمانہ میں نواب وقار الملک بہادر مرحوم سکریٹری تھے اور مسٹر آرچی بولڈ کالج کے پرنسپل۔ نواب صاحب مرحوم کی پالیسی قوم پرستی (نیشنلسٹی) ہے کے

اصولوں سے الگ تھلگ تھی اور بعض بہی خواہانِ قوم کو جو سر سیدؒ کے طرزِ عمل (پالیسی) کے پیرو تھے یہ خوف پیدا ہو چلا تھا کہ اگر کالج کی یہی پالسی قایم رہی تو طلبا ءمیں جو حکومت کی خیر خواہی اور وفاداری کی روایات قائم ہیں اُن کو سخت صدمہ پہونچے گا کالج اور کالج کے فارغ التحصیل طلاب کا وقار گورنمنٹ کی نظر سے گر جائے گا لہذا کسی ٹرسٹی نے ایک مضمون لکھ کر "پیسہ اخبار" لاہور میں شائع کیا۔ جس کا عنوان تھا۔

گر یہی ہے اس گلستاں کی ہوا
شاخِ گل اگلے ور جھونکا کھائے گی

اس مضمون کا شائع ہونا تھا کہ گروہِ ٹرسٹیاں میں سنسنی پھیل گئی۔ حتیٰ کہ ان کے سالانہ جلسہ میں اس کے متعلق مباحثہ ہوا۔ ہر شخص دبی زبان سے سرگوشیوں میں قاضی صاحب ہی کو اس کا مصنف بتاتا تھا۔ مدیر اخبارِ مذکور اور تمام ٹرسٹیوں سے دریافت کیا گیا کہ آپ لوگوں میں "سیاہ بھیڑی" کون ہے۔ قریب قریب سب نے انکار کیا اور ایک خاص تعداد ایسے حضرات کی بھی تھی جنھوں نے اس استفسار کو بہ نظرِ ناپسندیدگی دیکھتے ہوئے جواب دینا بھی اپنی کسرِ شان اور اہانت کا باعث سمجھا۔

۴۔ شورشِ عام

گو وہ بھی ایک آندھی تھی کہ آئی اور چلی گئی لیکن غبار مدتِ دراز تک باقی رہا اور ان تمام مخالفتوں اور شورشوں کی تکمیل ۱۹۱۴ء میں ہوئی جب انھوں نے "ترکی کی حماقت" لکھ کر شائع کی۔

وقت وہ تھا کہ ناعاقبت اندیش، بے موقعہ نغمۂ سوراج کے ہمنوا اور دوست نما دشمن "لیڈر" طرح طرح کی تقریروں اور تحریروں سے مسلمانوں کو مشتعل کر کے مسئلۂ خلافت کی آڑ میں ان کا شکار کھیل رہے تھے۔ انھوں نے کبھی سرکاری ملازمت کو ناجائز قرار دے کر ملازمتیں ترک کرائیں، کبھی بدیشی مال کے مقاطعہ کے جلوے دکھا کر بیچاروں کو ننگا کر دیا، کبھی ہجرت کا سبق پڑھا کر آوارۂ دشتِ غربت بنا دیا، کبھی ترکوں کے مصائب کی داستانیں سنا کر انھوں نے

بطور چندہ وصول کیا غرضیکہ اسی طرح کی نیرنگیوں سے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔

قاضی صاحب نے گویا ان گندم نما جَو فروشوں کے ڈھول کی پول کھولی تھی۔ کتاب شائع نہ کی تھی بلکہ ایک بم کا گولہ پھینکا تھا جس سے ان کی توجیہات یا در ہوا نظر آرہی تھیں لیڈروں کے خود ساختہ تخیلات کا قلعہ درہم و برہم ہوگیا ان کے صبر و شکیب کے میگزین میں آگ لگ گئی اور ان کے اسلحہ جنگ یعنی پھیلائے ہوئے خیالات دھڑ دھڑ کرکے جلنا شروع ہوگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لیڈروں کی پلٹن بھی مقابلہ کے واسطے اٹھ کھڑی ہوئی کہ ؎

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی

اب دور بینی کی آنکھیں بند، ہٹ دھرمی کا منہ کھلا ہوا جو جس کے جی میں آیا کہہ ڈالا اور لکھ مارا۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب رئیس دتاؤلی نے ایک رسالہ مخالفت میں شائع کیا۔ نادر علی صاحب مرحوم وکیل آگرہ نے " ردحماقت " کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں یہ بھی لکھ دیا کہ " قاضی صاحب چونکہ سر علی امام کی جگہ ممبر ایگزیکٹو کونسل آف وائسرائے ہونا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے حکومتِ ہند کو خوش کرنے کے لئے یہ کتاب شائع کی ہے " خواجہ غلام الثقلین مرحوم ایم۔ ایل۔ سی (ڈپٹی) نے کونسل میں سوالات کئے۔ مولانا محمد علی صاحب مدیر " ہمدرد " نے لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند سے طویل خط و کتابت کرکے انسداد اشاعت کتاب کا مطالبہ کیا لیکن گورنمنٹ نے اشاعت مسدود نہ کی۔ اس کے علاوہ سارے ہندوستان میں قاضی صاحب کے خلاف ایک عجیب و غریب شورش پھیل گئی اور اشتعال پیدا ہوگیا۔ یہ مخالفت تحریر و تقریر کے دائرے تک محدود نہ رہی بلکہ بعض لوگوں نے جسمانی حملہ کرنے کا بھی ارادہ کیا۔ بہرحال ؎

چیز جو حد سے بڑھی اس کی خرابی آئی
خاک پر لوٹتے ہیں پاؤں کے گیسو بڑھ کر

سال چھ مہینہ میں یہ شورش رفع ہو گئی اور جب خاتمۂ جنگ ہوا اُس وقت مسلمانان ہند کو معلوم ہو گیا کہ قاضی صاحب کی پیشین گوئی الہامِ غیبی تھی کہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور ترکوں نے اپنی وہ عظیم الشان سلطنت جس کی مثال اس وقت تک روئے زمین پر نہ ملتی تھی ملیامیٹ کر دی۔ اگر مصطفےٰ کمال کا سا صاحب ہمت و جرأت، با اقبال جواں مرد جنرل فی الوقت پیدا ہو کر "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" کا معجزہ نہ دکھا دیتا تو سلطنتِ عثمانیہ کی یادگار ہوا انگورہ میں قایم ہے وہ بھی نہ رہتی۔ اِدھر خود اپنی حالت پر جو نظر ڈالی تو ہجرت کی بدولت بے خان و مان، مقاطعہ کے باعث ننگے بوچے، چندوں کے باعث مفلس قلاش اور ترکِ موالات کی وجہ سے بے کار خانہ نشیں اور دانہ دانہ کو محتاج دکھائی دئے۔ وفاداری کی پیشانی پر غداری کا بدنما ٹیکہ مزید برآں، لگے اپنی اور ٹرکی کی حماقت پر افسوس کرنے مگر بے سود ؎

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد

پھر بھی اب سے کچھ پہلے تک بعض ہٹ دھرم ہستیاں کچھ نہ کچھ جوابات تراشتی ہی ہیں لیکن مسکت اور لاجواب جواب خود اُس قوم کے ایک انقلابی رکن نے دیا جس کی خاطر مسلمان تباہ ہوئے اور اپنا اعتبار کھو بیٹھے۔ ہمارا مقصد مادام "خالدہ ادیب خانم" سے ہے جو جدید ٹرکی کی حامی و علم بردار اور اپنے ملک کی صاحب الرائے و صائب الرائے ممتاز ترین خواتین میں سے اصولاً لبرل اور تحریکاتِ تعمیری کی موئید ہیں اور ایک زمانہ میں جدید ٹرکی کی معتمد مشیر بھی رہ چکی ہیں۔ آپ ہی جدید ٹرکی میں سب سے پہلے کرسیٔ "وزارتِ معارف" پر متمکن ہوئی تھیں اور آپ کی قوم آپ کو "ٹرکی کی اولین مدبرہ" کے معزز خطاب سے مخاطب کرتی ہے۔ آپ نے حسب بیان روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ، اشاعت یکم مارچ ۱۹۲۹ء بمقام ایوا دو واقع شمالی امریکہ) ڈاکٹر سند ہندرا یوس سے دوران ملاقات ان کے اس سوال پر "ہندوستان کی تحریک خلافت نے ٹرکی کی کچھ مدد کی تھی؟" اور

مسلمانوں نے جو بے شمار قربانیاں ترکوں کے لئے کی تھیں ان کو آپ کے یہاں بہ نظرِ استحسان واعتراف دیکھا جاتا ہے ؟" جواب دیا "تحریک خلافت سے ٹرکی کو بہت کم مدد ملی بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مدد نہ ہونے کے برابر تھی۔ بہرحال وہ زمانۂ ماضی کا ایک معمولی اور غیر اہم واقعہ ہے جس کو اب کوئی یاد تک نہیں کرتا۔ میری تمام قوم سپاہی ہے اس لئے وہ کبھی ایسے ملک کی طرف جیسا ہندوستان ہے بامید امداد ہاتھ نہیں اٹھاتی ترک لوگ دینِ اسلام کی عالم گیریت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ ترک یہ بھی نہیں چاہتے کہ اپنی قومیت کو موہوم بین الاقوامیت کی بھینٹ چڑھائیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے قومیت کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ اب وقت ہے کہ بعض کوتاہ اندیش مسلم لیڈر مضحکہ انگیز خواب دیکھنا چھوڑ دیں۔ اور ان کی باتوں پر غور کریں؛

مسلمانانِ ہند لٹ گئے، مٹ گئے، تباہ و برباد ہوگئے اور آج تک صید بے اعتباری و شکار مصائب ہیں، وہاں کان پر جوں تک نہ رینگی بلکہ الٹے بزدل، بے غیرت وغیرہ کے خطابات ان کو عطا ہو رہے ہیں ؎

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ "یہ بے نام و ننگ ہے"

(غالبؔ)

اب بھی کہ پیشین گوئی کی صداقت نے مخالفین کی آنکھیں جھکا دی ہیں اور جیسا کہ ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اس مخالفت وشورش کے رکن اعلیٰ مولانا محمد علی صاحب اور قاضی صاحب سے ایک مرتبہ لورپین دوستانہ ملاقات ہو چکی ہے ایک خاص گروہ میں ان خیالات کا تھوڑا بہت اثر باقی ہی ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شب پرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

باب ہفتم

مذہبی، ملکی اور قومی خدمات

قاضی صاحب نے آنکھ کھولی تو خود کو ایک ایسے ماں باپ کی آغوش میں پایا کہ جن کے سروں پر مذہب اور اس کے پاکیزہ خیالات (علماً و عملاً) اپنے پُر برکت ہاتھ رکھے ہوئے تھے، گھر بھر میں نماز روزے کا چرچا تھا۔ اُن کے والدِ ماجد بڑے کٹر، پابندِ مذہب اور دیندار مسلمان تھے، انھوں نے اپنے خلفِ اکبر کو دینی اور مذہبی تعلیم دلانے کے خیال سے اعلیٰ درجہ کے عربی فارسی اساتذہ مہیا کئے تھے۔ گھر کی حالت اور اساتذہ کی صحبت کے ماحول نے اُن پر یہ اثر ڈالا تھا کہ وہ اپنے طفولیت اور طالب علمی کے زمانہ میں "مولود شریف" اور "مجالس" میں مرثیہ پڑھنے کے شایق ہو گئے تھے اور گونڈے میں جہاں انھوں نے اپنا ابتدائی عمر کا زیادہ زمانہ بسر کیا وہ ایسی تمام تقریبات میں بلوائے جاتے جس سے ان کے والدین و اساتذہ بیحد خوش ہوتے تھے سن شعور کو پہونچنے پر امیدواری ملازمت کے عالم اور لوگوں کی مخالفت کے زمانہ میں وہ ہمیشہ خدائے بزرگ و برتر کی درگاہ میں سرِ نیاز جھکاتے اور مُنہ مانگی مرادیں پاتے رہے۔ صاحبِ مرتبہ ہونے پر بھی وہ ان خیالات کے نہ صرف حامل رہے۔ بلکہ اصطلاحاً ایک خوش عقیدہ مسلمان بنے رہے چنانچہ آج تک عشرۂ محرم میں وہ ہمیشہ تعزیوں کی زیارت کیا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ہمیں ایسے واقعات بھی دکھائی دیتے ہیں کہ بعض فقراء نے اُن کو بعض خاص و اہم مواقع پر عمل بتلائے، انھوں نے پڑھے اور وہ کامیاب ہوئے۔

مذہبی خلش نے انہیں ہمیشہ بے چین رکھا اور یہی باعث تھا کہ ملک و قوم کا درد ہمیشہ ان کا دامن گیر رہا اور وہ باوجود فرائضِ منصبی کی کثرت کے خاموشی کے ساتھ حسب موقع اس سلسلہ میں متواتر کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے اور انھوں نے دامے، درمے، قدمے، سخنے، قلمے غرض کسی امکانی خدمت سے کبھی گریز نہ کیا۔

(۱) وقف علی الاولاد

وقف علی الاولاد ایک دیرینہ اسلامی مسئلہ ہے، لیکن عرصہ سے اس کو مسلمان محو و فراموش کر بیٹھے تھے۔ جس کی وجہ ابتداءً میں ان کا صاحبِ ریاست و امارت ہونا تھا جس کے باعث ان کی اقتصادی حالت اس قدر پست نہ تھی کہ ان کی اولادیں وقف علی الاولاد کا تکیہ ٹٹولتیں لیکن انقلابِ حکومت کے باوجود ان کے اسی طرح سرشارِ اسراف بنے رہنے نے ان کی حالت کو قابلِ عبرت صدمہ پہونچایا اور ان کی ہر قسم کی جائدادیں سود خواروں کے ہاتھ آئیں جو مہاجن بن کر صاحبِ مسند ہو گئے اور وہ خاک نشینِ نکبت۔ ایسے وقت میں اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان کی جائداد محفوظ ہو جائے اور وہ دستبردِ زمانہ سے بچ سکیں لہٰذا قاضی صاحب نے ۱۹۰۳ء میں "قانونِ وراثت" کے متعلق صدہا پرزور مضامین لکھ کر اخبارات میں شائع کئے۔ مذہبی حلقوں میں ان کے اس خیال کی سخت مخالفت کی گئی مگر بعد میں اسی تحریک کے اثر سے متاثر ہو کر مولانا شبلی نعمانی مرحوم اور بعض دیگر اکابر و اعاظمِ قوم نے مسئلۂ وقف علی الاولاد کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی امداد و مساعی سے مروجہ حال قانون کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔ جس سے بیچارے مسلمانوں کی املاک تباہی و بربادی سے بچ گئیں۔ گو قاضی صاحب کے خیال میں ابھی پوری حفاظت نہیں ہوئی ہے لیکن پھر بھی غنیمت ہے۔

(۲) دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کو مشورۂ خیر

عربی مدارس میں جو نصاب "درسِ نظامی" کے نام سے موسوم ہے وہ

ہندوستان اور اکثر اسلامی ممالک میں صدہا سال سے بدستور چلا آرہا ہے۔ نصاب کی خوبی سے ایک حد تک انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا مقصد وہ بھی نہیں جو عربی طلبائے ہند نے سمجھ رکھا ہے، وہ اس نصاب کی تکمیل کو مدار علمیت سمجھتے اور جب کسی علم وفن کے متعلق ان سے سوال کیا جائے تو انہیں دلائل سے کام لیتے ہیں جو نظام الملک طوسی کے زمانہ میں رائج تھے۔ فلکیات میں کیا مجال کہ نظام بطلیموسی سے ایک انچ متجاوز ہو جائیں یا منطق میں کتابی "صغریٰ وکبریٰ" کے علاوہ کوئی جدید شکل بنا کر ایک نیا نتیجہ پیدا کر سکیں، گویا زمانہ مستقبل بعید سے زمانہ حال تک جو جدید تحقیقات وانکشافات ہو چکے ہیں اُن سے وہ ویسے ہی ناواقف ہیں جیسے اس دنیا کے لوگ کرۂ مریخ کے ساکنین سے بخلاف اس کے ہماری رائے میں وہ اس نصاب سے فارغ التحصیل ہو کر حصولِ علم سے ہرگز ہرگز فارغ نہیں ہوتے بلکہ وہ علمی وفنی تحقیقات میں کمال پیدا کرنے کے ذریعہ تک اسی طرح پہونچتے ہیں جس طرح سرکاری یونیورسٹیوں کی ڈگریاں لیکر وہاں کے گریجویٹ بشرطیکہ کسی علم وفن کے "ڈاکٹر (علامہ)" بننے کی منزل تک، گویا "درس نظامیہ" کی تکمیل میں اپنا وقت ضائع کرنے والی جماعت بے کار اور ناکارہ لوگوں کی جمعیتہ میں اضافہ کرتی ہے، اسی لیے جب "ندوۃ العلماء" لکھنؤ کے مہتممین نے اس کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچانا چاہا تو قاضی صاحب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس طرح مسلمانوں کی توجہات جو کچھ علی گڑھ کالج کی جانب مبذول ہو چلی ہیں اُن میں فرق آجائے گا اور بہت سے نوجوان مسلمان جو گریجویٹ ہو کر ملک وملت اور خود اپنی ذات کے لیے مفید تر ثابت ہو سکتے ہیں موذنی وامامت وغیرہ کے پیشوں کے لیے جن کو خالصاً للہ انجام دینا چاہیئے وقف ہو جائیں گے اور ان کا بار دوسروں کو اٹھانا پڑے گا۔ لہذا منتظمینِ ندوہ کے خیالات کی مخالفت کی اور مفید مشورے دیے۔

۳۔ "مکالمہ" کی اشاعت

اِس سلسلہ میں آپ نے ایک مختصر رسالہ شائع کیا جس میں بصورت مکالمہ علی گڑھ کالج اور انگریزی تعلیم کے فوائد اور ندوۃ العلماء کے منتظمین کی اسکیم اور اس کے نتائجِ بد پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

۴۔ خیالِ تبلیغ اور تصنیفِ "گزارش"

"مکالمہ" میں اُنھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ "ندوہ" کا نصاب تعلیم اس طرح ترتیب دیا جائے کہ وہاں کے مولوی، مبلغ و مناظر بھی بن کر نکلیں اور انگریزی مشنریوں کی طرح ایک اسلامی مذہبی شعبہ تبلیغ و نگرانی اُمورِ مذہب کا قائم کیا جائے لیکن جب دیکھا کہ "مکالمہ" کے چند اوراق اس مسئلۂ خاص پر کافی روشنی نہ ڈال سکیں گے تو "گزارش" نامی ایک اور رسالہ لکھ کر اپنے اغراض و مقاصد کو واضح کیا مگر حامیانِ "ندوہ" نے اعتراضات کی بھر مار کردی۔ آخر ایک مدت کے بعد دو تین ہی برس ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کمی کا احساس ہو گیا لیکن کس وقت؟ جب فتنۂ ارتداد کی گھٹائیں فضائے ہند پر چھا گئیں، شدھی اور سنگھٹن کی بجلیاں کوندنے لگیں اور مسلمانوں نے خوابِ غفلت سے چونک کر جمعیتہ تبلیغ الاسلام قائم کی اور قوم میں صحیح منادو واعظ عنقا نظر آئے۔

کاش قوم نے اُسی وقت اِس زریں مشورے پر عمل کر لیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ مگر مسلمانانِ ہند چونکہ ہمیشہ سے ہر کام میں دیگر اقوامِ ہند سے پچاس برس پیچھے رہے ہیں لہٰذا اس امر میں کیوں پیچھے نہ رہتے؟۔ تاہم قاضی صاحب کی نظرِ دوربین قابلِ داد ہے کہ اُس نے فتنۂ ارتداد کے بخارات کو جو گھٹا ٹوپ اندھیری کی شکل میں ہندوستان پر مسلط ہونے والے تھے مدتوں پہلے تاڑ کر مذہبی جمعیتہ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا تھا۔

۵۔ "مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کی رکنیت و تعلیم سے دلچسپی

سرسید رحمہ مسئلۂ تعلیم پر ایک کچھ غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ "۷ کروڑ مسلمانوں کی تعلیمی کامیابی کا دارومدار محض علی گڑھ کالج یا مسلم یونیورسٹی پر نہیں ہو سکتا

اور ان کی تعلیم کا انتظام کسی ایک مرکز سے نہیں کیا جا سکتا اس لئے ان کے واسطے ایک جداگانہ نظام کی ضرورت ہے اور اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے ۱۸۸۶ء میں "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" علی گڑھ میں قائم کی تھی جس کے مقاصد تھے "مسلمانوں میں مغربی تعلیم کی اشاعت، مسلمانوں کی انگریزی مدارس میں تعلیم مذہبی کی نگرانی و ترقی، علوم مشرقی و تعلیم مذہبی کے موجودہ مدارس کی ترقی اور ان کے استحکام کی تدابیر اور مکاتب قرآن خوانی کی وسعت و ترقی میں سعی مگر اب کانفرنس کی ہر دل عزیزی و ترقی کے ساتھ تعلیم نسواں، فراہمی کتب نادرہ و قلمی کتبہ جات، اشاعت و ترقی اُردو وغیرہ جیسے دوسرے مفید مقاصد کا بھی اس میں اضافہ ہو گیا ہے۔

قاضی صاحب اپنی علمی دلچسپی و زمانہ شناسی کی وجہ سے ابتدائے قیام ہی سے کانفرنس کے ممبر ہوئے اور جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملا انھوں نے اپنے اس فطری مذاق دلچسپی تعلیمات کی ایک نہ ایک یادگار ضرور قائم کی چنانچہ۔

۱۔ مدرسۂ عزیزیہ بسواں :۔ اس نام سے ایک مدرسہ بسواں میں قایم ہے جو آپ کی امداد سے مسلسل مستفیض ہوتا رہتا ہے۔

۲۔ مسلم گرلز اسکول بسواں :۔ اس نام سے ایک لڑکیوں کا مدرسہ بسواں ہی میں قایم کیا تھا لیکن وہاں کے لوگوں کی تنگ خیالی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا

۳۔ اَنگلو عربک وثیقہ اسکول :۔ فیض آباد کی ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں "بہو بیگم صاحبہ" کے اس روپیہ سے جو خیراتی اور مذہبی نیک کاموں کے لئے وقف تھا اس نام سے ایک اسکول قایم کرایا۔ جس کا انتظام وہاں کے ڈپٹی کمشنر کے متعلق رہتا ہے۔

۴۔ مدرسۂ اسلامیہ باڑی :۔ اس مدرسہ کو آپ نے اپنے عہد وزارت دھولپور میں اسلامیہ مکاتب کمیٹی (یو۔ پی) کے اصول پر قائم کیا۔

۵۔ مدرسۂ اسلامیہ دتیا :۔ ۱۹۲۵ء میں "دتیا" خاص میں قایم کرایا۔ اس مدرسہ میں مڈل اسکول

تک کے نصاب کی تعلیم کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

۶۔"اسلامیہ اسکول" سیونڈا:۔ ۱۹۲۷ء سیونڈا (دتیا) میں اسلامیہ اسکول قائم کرنے میں مدد دی۔

۷۔جبلی اسکول مرزاپور:۔ ملکہ معظمہ کوئن وکٹوریہ خلد نشیں کی جُبلی کے موقع اور اپنی تحصیلداری مرزاپور کے عہد میں بابو بینی مادھو رئیس کو آمادہ کر کے اُن سے ایک بنگلہ وقف اور ۱½ لاکھ روپیہ اخراجات مدرسہ کے لئے خزانۂ سرکار میں جمع کرا کے اس مدرسہ کو قائم کرایا۔

۸۔فالبس ہائی اسکول فیض آباد کی صدارت:۔ فیض آباد کی ڈپٹی کلکٹری کے دوران میں وہ مدرسۂ مسطور کی "مجلسِ منتظمہ" کے صدر منتخب کئے گئے اور انھوں نے فرائضِ صدارت کو نہایت دل چسپی کے ساتھ انجام دیا۔

اس اسکول کو خان بہادر شیخ قادر بخش نے قائم کیا تھا جو بامدادِ حکومت آج تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔
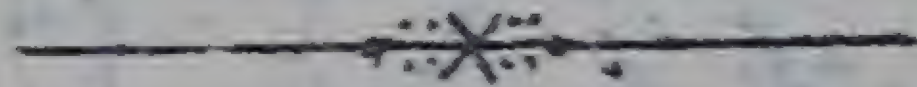
باب ششم

سیاسی عقائد و خدمات

قاضی صاحب کے جن کارناموں نے شہرتِ دوام حاصل کی اور اُن کی جن تحریکات کو قبولِ عام کی سند ملی وہ زیادہ تر تعلیمی، معاشرتی و مذہبی حیثیت رکھتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی فضا میں سیاسی لہروں کے اٹھتے ہی انھوں نے اپنے خداداد قابلیت و ذہانت کے ساتھ اس میدان میں جس خوبی سے قدم رکھ کر بالغ نظری سے کام لیا وہ ہرگز ہرگز بھلا دینے کے قابل نہیں اور اس حیثیت سے اگر آپ کو ایک "سیاسی رہنما" کہا جائے تو عین مناسب ہوگا۔

۱۔ کانگرس کی مخالفت اور "سرگزشت لودر کیسل"

آپ نے "کانگرس" کے اغراض و مقاصد سے کبھی اظہارِ ہمدردی نہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر آپ اس کی مخالفت میں مضامین و رسائل لکھتے رہے اور لکھتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی ایک خاص تصنیف "سرگزشتِ لودر کیسل" بہت مشہور و معروف ہے، جس میں آپ نے واقعاتِ جلسۂ کانگرس۔ الہ آباد منعقدہ دسمبر ۱۸۸۸ء کا تذکرہ کرتے ہوئے کانگرس میں قرضہ وغیرہ کے دباؤ سے مسلمانوں کو شریک کرنے کے واقعات پر تبصرہ کیا ہے۔ اس میں آپ نے اپنے نام کا اظہار نہ کرتے ہوئے خود کو "مصنفِ قومی تنبیہ" لکھا ہے۔

کانگرس کی مخالفت کے متعلق آپ کے خیالات جو چالیس سال قبل تھے وہی اب بھی ہیں۔ کانگرس کی مخالفت میں جو آپ نے ہمیشہ سرگرمی دکھائی اس کی وجہ کسی خاص طبقہ سے عناد یا حکومت کی خوشامد نہیں بلکہ آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں میں اتحادِ عمل و خیال دشوار ہے ہندوستان

جیسی زنگارنگ خیالات کی آبادی پر حکومت کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ کا وجود اس ملک کی ترقی اور قیامِ امن و امان کے لئے لازم، نیز ہندوستانیوں کا یہ خیال کہ انگریز اپنا بوریا بستر باندھ کر اُن کے ملک سے رفوچکر ہو جائیں احسان فراموشی کی حد تک ہے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر ہندوستانیوں میں صلاحیتِ حکومت ہوتی تو وہ موجودہ اصلاحات (ریفارمس) اور اختیارات کو عمدگی سے برتتے اور یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حسنِ عمل کی صورت میں برٹش گورنمنٹ بھی حسنِ سلوک سے کام لیتے ہوئے ان اختیارات میں اضافہ مزید کرتی مگر ملے ہوئے اختیارات کی بنا پر جو اندھیر پھیلا ہوا ہے اور جس کی جھلک "خان میمورنڈم" میں بہت کچھ پائی جاتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایک منصف مزاج آدمی قاضی صاحب کے معتقدات کی نہ صرف تائید کرے گا بلکہ ان کے اعتقاداتِ سیاسیہ پر ایمان رکھنا اپنے لئے فرضِ عین جانے گا

۲۔ ہندو مسلم اتحاد

وہ ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے ایک زبردست حامی ہیں اور ملکی ترقی کے واسطے اُسے ایک ضروری چیز سمجھتے ہیں۔ اس امرِ خاص پر انھوں نے اکثر تحریراً و تقریراً بہت کچھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں انھوں نے مبلغ دو سو روپیہ انعام دے کر اسی عنوان پر ایک نظم لکھوا کر مطبع ذوالقرنین بدایوں سے اس کی اشاعت کرائی تھی۔

۳۔ حق انتخاب کے متعلق قاضی صاحب کا نظریہ

قاضی صاحب "انتخابِ جداگانہ" کے زبردست حامی ہیں اور ان کی رائے ہے کہ "انتخابِ مشترک" میں ہندو مسلم کشیدگی اور فرقہ وارانہ فسادات میں ترقی ہوگی۔ جس زمانہ میں نواب محسن الملک بہادر مرحوم لارڈ منٹو سابق وائسرائے ہند کی خدمت میں مسلمانوں کا وفد لے کر گئے ہیں اور مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کیا ہے تو صلاح و مشورے میں قاضی صاحب برابر شریک رہے اور اس مسئلہ میں اُنھوں نے بہت دلچسپی لی تھی مگر سرکاری ملازم ہونے کی حیثیت سے جو کچھ کیا در پردہ کیا اور کھُلم کھُلا حصہ لینا مناسب نہیں سمجھا۔

یوں بھی انھوں نے سیاسیات میں کھلے خزانے کبھی حصہ نہیں لیا اور مسلم لیگ" یا" کانگرس" وغیرہ میں کبھی شرکت نہیں کی لیکن وہ سرسید مرحوم و مغفور کے عقائد سیاسی کے بہت مضبوطی کے ساتھ پابند ہیں اور گو زمانہ بدل گیا اور مسلمانوں کے حالات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوگئیں تاہم وہ آج تک سرسید مرحوم کے طرز عمل اور ان کے قائم کردہ راہ کو مسلمانوں کے واسطے صراطِ مستقیم سمجھ رہے ہیں۔

۴۔ بقائے ریاست ہائے ہند

آپ برٹش حکومت کے زیر سایہ ریاست ہائے ہند کی بقا کے بدل حامی ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی بقا کے لئے ریاستوں کا قیام اور دیسی ریاستوں کے قیام کے لئے برٹش گورنمنٹ کی بقا لازم ملزوم ہے۔ ریاستوں کی حمایت اور اپنے اس نظریہ کے متعلق آپ صدہا مضامین لکھ کر شائع کر چکے ہیں۔

بٹلر کمیشن اور چیمبر آف پرنسز کو قاضی صاحب نے کبھی پسند نہیں کیا اور اکثر پرائیویٹ ملاقاتوں میں اس بات پر اظہار افسوس کیا کرتے ہیں کہ والیانِ ملک ان جمہوری جلسوں میں شریک ہو کر اپنے قدیم شاہی اعزاز و وقار کو صدمہ پہونچا رہے ہیں۔

انھوں نے ہمیشہ روساء کو یہی مشورہ دیا کہ وہ بدل و جان دولت برطانیہ کے خیر خواہ رہتے ہوئے اپنی اپنی ریاستوں میں رعایا کے ساتھ نرمی، رحم اور انصاف کا برتاؤ کریں اور ہمیشہ رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں رکھیں کیونکہ یہی ایک وہ زرّیں تدبیر ہے جس سے وہ اخبارات و ساکنان برٹش انڈیا کے حملوں اور پولیٹیکل افسروں کے اعتراضات سے محفوظ رہ سکتے اور حکومتِ ہند کے دل میں گنجائش پیدا کر سکتے ہیں۔

۵۔ اُردو ہندی کا مسئلہ

اس مسئلہ میں گو قاضی صاحب ہندی کے مخالف نہیں ہیں لیکن اُردو رسم الخط کے بے حد طرفدار ہیں اور اس مسئلہ کو مذہبی رنگ دینے کے بے حد مخالف۔ دتیا اور دھولپور میں جو ریاستی سرکاری گزٹ

ان کے عہد میں جاری ہوئے وہ ہندی میں ہیں لیکن زبان اردو اور یہی مسلک سرگیانتی
مہاراجہ سندھیا والیِ گوالیار کا تھا۔

۶۔ ہندوستانیوں کی آزادی

حکومت نے جس قدر آزادی ہندوستانیوں کو کونسل وغیرہ میں دے رکھی ہے اور وہ جس دریدہ دہنی سے حکام کے طرزِ عمل کی تنقید کرتے ہیں، قاضی صاحب اس کے سخت مخالف ہیں۔ ان کی رائے میں حکام کے شخصی وسیع اختیارات کا دور اچھا تھا، جس کی وجہ سے حاکمِ ضلع صاحبِ اختیار سمجھا جاتا تھا، نہ کہ اب کہ برابر کونسل میں سوالات ہوتے اور حاکمِ ضلع کو ایک بے قابو ہستی تصور کیا جاتا ہے۔ اس آزادی سے حکومت کی وقعت میں بہت فرق آگیا۔

۷۔ حکام کے اختیارات میں کمی

ان کی رائے میں حکامِ ضلع کی حکومت اور اختیارات کے کم کرنے سے خود گورنمنٹ کی حکومت میں کمی آگئی اور اس صورت میں جو انتظامی خوبیاں اور کام کی سہولتیں تھیں وہ آج میسر نہیں

۸۔ حکومت میں ہندوستانی عنصر

حکومت میں ہندوستانی عنصر کے شمول کے وہ مخالف نہیں ہیں اور لائق و قابل ہندوستانی جہاں مل سکیں ان کے اعلیٰ مدارج پر تقرری سے آپ کو مسرت ہوتی ہے مثلاً سر علی امام سر تیج بہادر سپرو اور کنور جگدیش پرشاد وغیرہم کی ترقیاں دیکھ کر ان کو ہمیشہ خاص مسرت ہوتی رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ انگریزی عنصر نظام حکومت سے دفعتاً گم کر دیا جائے۔ ان کے خیال میں ابھی عرصۂ دراز تک انگریزوں کا وجود ہندوستانی آزادی اور امن و امان کے واسطے بہت ضروری ہے۔

غرضکہ قاضی صاحب کی پالسی معتدل ہے نہ وہ انتہا پسند ہیں اور نہ خوشامدی۔
وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی ترقی کے اُسی قدر خواہش مند ہیں جس قدر دوسرے نمایاں سیاسی لیڈر لیکن وہ ہر کام آہستگی اور سہولت کے ساتھ پسند کرتے ہیں۔ شور وغل اور شر و فساد کے سخت مخالف ہیں۔ مگر آج کل نقار خانہ میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سیاسیات سے قطعی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ چنانچہ بدیلکھنڈ پولیٹکل کانفرنس ''!! (منعقدہ مئی ۱۹۲۹ء، باندا دیو-پی) کی صدارت آپ کو پیش کی گئی تھی مگر آپ نے کچھ تو بوجہ علالت اور کچھ زمانہ کا رنگ دیکھتے ہوئے شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دی۔ وہ اکثر جب سیاسیات کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔ ؎

"رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا؟"

باب نہم

اعزاز و خطابات

سنہ ۱۹۰۶ء تک باوجودیکہ قاضی صاحب بارہ بنکی اور جونپور میں اس قدر صاحب اقتدار تھے کہ ان کی سفارش پر بہت سے لوگوں کو بڑے بڑے خطابات مل گئے مگر خود انہیں کوئی خطاب نہ ملا، حالانکہ سرانٹنی میکڈانلڈ لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ آگرہ واودھ اور قاضی صاحب کے مابین اس قدر شگفتہ مراسم تھے کہ انہیں ایک معمولی سے اشارہ پر کوئی معزز خطاب حاصل کرلینا دشوار نہ تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ صاحب موصوف نے پنشن پر جاتے ہوئے قاضی صاحب سے شکوہ کیا کہ "باوجود اس قدر گہرے مراسم و تعلقات کے آپ نے مجھ سے کبھی کوئی فرمائش نہ کی اور مجھے اس خیال سے سخت ندامت ہو رہی ہے کہ خود میں نے آپ کے واسطے کسی خطاب کی سفارش کیوں نہ کی؟"۔

ہمیں اُن لوگوں کی زبانی جن کو قاضی صاحب سے دیرینہ مراسم کی مسرت حاصل ہے معلوم ہوا ہے کہ انہیں کبھی حصولِ خطابات کا شوق نہیں رہا مگر ان کی خوش قسمتی نے ان کی ادبی وملکی مساعی کو شکور کرکے گورنمنٹ، ریاستوں اور سرکاری وغیر سرکاری مجالس علمیہ و سیاسیہ ورفاہِ عام سے انہیں اس قدر اعزاز و خطابات دلائے کہ حدِ بیان سے باہر ہیں۔

(۱) خطابات

۱- خان بہادر ۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جب کہ وہ ڈپٹی کلکٹر فیض آباد تھے، مسٹر پرٹ کلکٹر اور مسٹر ہملن کمشنر فیض آباد کی تحریک پر سر جیمس لاٹوش لفٹنٹ گورنر صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ نے تصانیفِ کتب اور الہ آباد یونیورسٹی کی خدمات کے صلہ میں ان کو "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ عوام فیض آباد نے ان کے خطاب ملنے پر غیر معمولی مظاہرات مسرّت کئے اور بلا استثنائے مذہب و ملت گھر گھر جلسے کئے گئے۔ اس موقعہ پر فیض آباد کے مشہور طبیب محمد علی صاحب نے دو قطعات تاریخ تصنیف کئے تھے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) جو فیض آباد میں قاضی عزیز الدین احمد ہیں ۔۔۔ خلیق و ذی حشم ڈپٹی کلکٹر نیک دل خوشخو
خطاب ان کو دیا ہے قیصرِ ہندوستاں نے اب ۔۔۔ جہاں میں پھر نہ کیوں عزّ و وقار ان کا دوبالا ہو
دعائیہ کہی معجم میں یہ تاریخ احمد نے
خداوندا مبارک کر خطابِ خاں بہادر کو

(۲) زہے قاضی عزیز الدین احمد ۔۔۔ کہ جا دار و بفیض آباد اینک
بجلدوئے حقوق قیصرِ ہند ۔۔۔ خطابِ خاں بہادر داد اینک
بگفتم مصرعِ تاریخ احمد
"مبارک ایں خطابش باد اینک"

۲- آئی۔ ایس۔ او کا خطاب و تمغہ ۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں سر ایلیٹ کالون ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کی سفارش پر جب کہ وہ دھولپور میں تھے انہیں آئی۔ ایس۔ او کا خطاب و تمغہ "ملک معظم" کی بارگاہ سے مرحمت ہوا۔ اس تمغہ پر

یہ عبارت کندہ ہے:

"طویل و فادارانہ خدمات کے صلہ میں"

حکومتِ برطانیہ میں اس خطاب سے ایک وقت میں صرف دو ہی سو آدمی معزز و مخاطب رہتے ہیں۔ یہ خطاب صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو عرصۂ دراز تک بلا کسی شکایت اور التزام کے زمانہ ملازمت ختم کر دیں۔ چونکہ یہ حسنِ خدمات و وفاداری کے صلہ میں دیا جانے والا خطاب ہے اس لئے اس کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اس خطاب کے متعلق یہ ایک عجیب بات ہے کہ معمولی کلرک سے لیکر وائسرائے تک اس کے حصول و اعطا میں مساوی ہیں چنانچہ جب "شہنشاہِ معظم" نے اس خطاب کو قائم کیا تھا تو لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند کو بھی مرحمت فرمایا تھا۔

۳۔ او۔ بی۔ ای کا خطاب سنہ ۱۹۱۹ء آپ کو خدماتِ جنگ کے صلہ میں او۔ بی۔ ای کا خطاب منجانب گورنمنٹ عطا ہوا۔ اس موقع پر ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قاضی صاحب کی خدمات کے مقابلہ میں یہ خطاب حقیر و ناموزوں ہے۔ جس کا جواب ہم پہلے ہی دے آئے ہیں کہ وہ حصولِ خطاب کے لئے کبھی کوشاں ہوئے ہی نہیں اور نہ انہیں اس کی تمنا بنابریں ان کی نظر میں موزوں ہو یا ناموزوں سب برابر ہے۔

۴۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب سنہ ۱۹۲۵ء میں ہز ایکسیلنسی حضور وائسرائے ہند نے سر ریجلنڈ گلانسی ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا کی پُرزور تحریک پر مذکورۂ بالا کمی کو پورا کرتے ہوئے آپ کو سی۔ آئی۔ ای کا معزز خطاب مرحمت فرمایا

۵۔ خطاب نوابی و اعزاز سنہ ۱۹۲۰ء میں مہاراجہ صاحب دیتیا نے آپ کے حسنِ خدمات کے صلہ میں آپ کو دربار سالگرہ

کے موقع پر "نواب" کا خطاب اور پانچ (۵) ضرب اتواپ کی مقامی سلامی کا اعزاز عنایت کیا۔

غالباً راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا میں آپ ہی پہلے دیوان ہیں جن کو عہدِ حاضرہ میں شلکِ سلامی کا فخر و اعزاز حاصل ہے۔

۶۔ راج رتن پروین: چند غیر سرکاری جماعتوں نے بھی آپ کو بہت سے خطابات دئے ہیں، جن میں سے "مہادھرم منڈل" بنارس کا دیا ہوا خطاب "راج رتن پروین" خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔

(ب) سندات

(۱) سنہ ۱۹۱۷ء میں بجلدوئے "خدماتِ جنگ" ہزایکسلنسی حضور وائسرائے ہند نے ایک سند مع ایک بیش بہا طلائی گھڑی کے مرحمت فرمائی۔

(۲) اسی سنہ میں ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ نے باعتراف خدماتِ "قرضہ جنگ" ایک سند عطا کی۔

(ج) تمغہ جات

(۱) سنہ ۱۹۱۵ء میں آئی۔ ایس۔ او کے خطاب کے ساتھ حضور ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم دام دولتہ وسلطنتہٗ نے ایک تمغہ عطا فرمایا۔ اس تمغہ کا مفصل تذکرہ ہم خطابات کے ذیل میں کر چکے ہیں۔

(۲) ۱۹۱۷ء میں حضور وائسرائے و گورنر جنرل بہادر ہند نے رنگروٹ بھرتی کرنے کے صلہ میں ایک تمغہ عنایت فرمایا۔

(د) سرکاری و غیر سرکاری مجالس علمیہ و رفاہیہ کی عزت افزائی

(۱) ۱۸۹۰ء میں آپ "ایشیاٹک سوسائٹی" (بنگال) کے رکن منتخب ہوئے۔

(۲) ۱۸۹۸ء میں "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" (لندن) نے اپنا ممبر بنایا۔

(۳) ۱۸۹۹ء میں "امپریل انسٹی ٹیوٹ" (لندن) نے اپنا فیلو منتخب کیا۔

(۴) ۱۸۹۹ء میں "ایم۔اے۔او کالج" (علی گڑھ) کے ٹرسٹی منتخب ہوئے۔ اس کے بعد جب مسلم یونیورسٹی قائم ہوئی تو کورٹ ممبر بنائے گئے اور اب تک ہیں۔

(۵) ۱۹۰۶ء میں "الہ آباد یونیورسٹی" کے "فیلو" مقرر ہوئے اور پندرہ سال تک رہے۔ مگر جب مسٹر چینتامنی وزیر تعلیم (یو۔پی) ہوئے اور بجائے فیلوشپ کے کورٹ ممبری قائم اور مسلم ممبران کی تعداد میں کمی کی گئی تو آپ نے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔

(۶) ۱۹۱۴ء میں گورنمنٹ نے "آگرہ کالج" کا "ٹرسٹی" مقرر کیا اب تک ہیں۔

(۷) ۱۹۲۵ء میں "دہلی یونیورسٹی" کے "کورٹ ممبر" مقرر ہوئے اب تک ہیں۔

(۸) ۱۹۲۹ء میں گورنر صاحب بہادر یو۔پی نے "آگرہ یونیورسٹی" کی "سنیٹ" کا ممبر مقرر کیا ہے۔

(۹) ابتدائے قیام سے اس وقت تک "مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" کے ممبر ہیں۔

(۱۰) "فری میسن لاج" نے آپ کو اپنے یہاں کی تمام اعلیٰ ڈگریاں دی ہیں۔

(۱۱) سینٹ جانس ایمبلنس ایسوسی ایشن (لندن) نے اپنا ممبر بنایا ہے۔

(۱۲) رائل ریڈ کراس سوسائٹی (لندن) نے ممبر مقرر کیا ہے۔

(۱۳) اسکاؤٹس کمیٹی نے آپ کو بدیلکھنڈ کا اسکاؤٹس کمشنر بنایا ہے۔

(۱۴) الہ آباد یونیورسٹی میں عربک پرشین فیکلٹی کے مستقل ممبر رہے اور عرصہ تک لا فیکلٹی کے ممبر بھی رہے تھے۔

(۱۵) سنہ ڈپٹی کلکٹری کے عہد تک ڈپٹی کلکٹری اور جوائنٹ مجسٹریٹی کے امتحانات کے برابر ممتحن رہے۔ الہ آباد یونیورسٹی نے عربی کا ماڈریٹر بھی بنایا تھا۔

(۱۶) چیمسفورڈ کلب شملہ نے بھی اپنا ممبر مقرر کیا ہے۔

( ) انجمن ترقی اردو نے ممبر بنایا ہے۔

(۵) جمعیتہ ہائے سیاسیہ کی قدردانی

آپ اپنے سیاسی روشن خیالات کے باعث سیاسی حلقوں میں بھی اعزاز و وقار کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور آپ کو بعض جمعیتہ ہائے سیاسیہ نے بھی اپنا رکن بنایا ہے چنانچہ

(۱) "سیفٹی لیگ"[۱] نے آپ کو سنہ ۲۷ء میں اپنا ممبر بنایا۔

(۲) سنہ ۱۹۲۹ء میں "مسلم لیگ" کے ممبر ہوئے۔

---

[۱] سیفٹی لیگ:۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں تجار، زمیندار اور صاحبِ جائداد لوگوں کی ایک جمعیتہ اس نام سے قائم ہوئی ہے۔ ہندوستان کو شورش پسند جماعتوں کے پنجہ سے محفوظ رکھنا اس کا منشا ہے۔ آنجہانی مہاراجہ صاحب دربھنگہ اس کے پہلے صدر رہے تھے کانپور اس کا صدر مقام ہے۔

بابِ دہم[1]

قاضی صاحب کی شخصیت

ہندوستان میں اُنیسویں صدی کے کمالات نمایاں ہونے پر جبکہ نظامِ عالم کئی سو برس کی مستحکم و متناسب رفتار کے بعد ایک عظیم الشان انقلاب کے لئے آمادہ تھا، مسلمانوں کی تاریخ کا زرّیں باب ختم ہوا اور ملک میں دنیا کے دو زبردست انقلابوں کے بیک وقت شروع ہونے نے اثراتِ انقلاب کی رفتار کو غیر معمولی طور پر تیز سے تیز تر کر دیا۔

زوالِ حکومت کے بعد جو قومی ترقی کا آخری درجہ ہے مسلمان ایک نہایت شرمناک حالت پر پہونچ گئے تھے، اس پر عبرت واقعہ کی تصویر چند الفاظ میں پیش نہیں کی جاسکتی بلکہ چند در چند مرقعے درکار ہوں گے اور پھر بھی کوتاہی ہی رہے گی۔ قصہ کوتاہ اسلامی قومی زندگی کا انفرادی یا اجتماعی غرض کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ذلّت و ابتری کا البم نہ ہو۔ انفرادی اخلاقِ حسنہ جو حیاتِ قومی کا جزوِ اعظم ہوتے ہیں۔ ایک ایک کرکے فنا ہو چکے تھے۔

انیسویں صدی کا آغاز تہذیب مشرق کے لئے صورِ اختتام اور عروجِ مغربیت کا نورانی اعلان تھا اور یہ اتنا زبردست تغیر تھا کہ حالاتِ عہدِ قدیم و جدید میں کسی قسم کا رشتۂ اتحاد نہیں دکھائی دیتا تھا۔ مشرق، زندگی اور معاملاتِ حیات کو جس نظر سے دیکھا کیا وہ تہذیب مغرب میں ناقابلِ قبول تھے کیونکہ وہ بالکل مختلف اور بعض نئے اصولوں پر حالات و معاملاتِ دنیاوی کو منطبق کرنا چاہتا ہے حتیٰ کہ اب ان اختلافات نے مشرقی خیالات اور محسوسات کی بنیادوں کو

[1] اس باب کی تمہید میں مجھکو "بشیر پاشا سیر نیہ کے حصّہ سرسید کی لائف سے استفادہ کا اقرار ہے = ۱۲= کشتہ قادری۔

اس طرح متزلزل کر دیا ہے کہ انکی حیثیت و ہستی ہی معدوم ہوگئی اور وہ خود مشرقی ممالک "تہذیبِ مغرب" کی فتح کے جشن منا رہے ہیں۔

انقلابِ دہر کے اِن دو بڑے عظیم الشان طوفانوں کی طغیانی و تلاطم کے ہیجانی عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی عقل گم تھی اور وہ حواس باختہ ہو رہے تھے۔ ایسی صورت میں سرسید مرحوم کی طرح ان کی وہ متبع ہستیاں بھی لائقِ صد داد و تحسین ہیں جو طوفانِ مذکور کی موجوں کے تھپیڑے سہتی اور باوجود بے سروسامانی و کثرتِ حوادث کے اپنے قوائے عقلی و ذہنی سے سکون و استقلال سے اور بلند ہمتی کیساتھ لیتی رہیں جن میں سے قاضی صاحب کی شخصیت بھی ایک نمایاں شخصیت ہے۔

۱۔ پرانی تہذیب کا احسان قاضی صاحب "خاکِ اودھ" سے اُس وقت اُٹھے جب وہاں گزشتہ عظمت کی مٹی ہوئی نشانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جانِ عالم پیا" واجد علی شاہ فرمانروائے اودھ کا آفتابِ اقبال و حکومت "مٹیا برج" (کلکتہ) میں غروب ہو چکا تھا، اِس خطۂ پاک کے گوہر ہائے درخشاں خاک میں مل چکے تھے اور انکی آب و تاب گردشِ زمانہ کے ہاتھوں ماند پڑ چکی تھی، اس لئے اگر اُنھوں نے اپنے بچپن میں کچھ دیکھا تو وہ حسرت و یاس کا جلوہ، ضلالت و گمراہی اور ادبار و نکبت کا تسلّط تھا۔ جو پستی خیالات کی جانب مائل و متوجہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ علم و عمل کی روشنی، اقبال و عروج کے آثار وہاں معدوم تھے جو اولوالعزمی و بلند ہمتی کی طرف رہنمائی کرتے اور جس دائرے میں وہ محدود تھے اسکو تہذیبِ جدید اور نئی روشنی کی ہوا تک نہ لگی تھی حتیٰ کہ ان کے والد مرحوم، سرسید علیہ الرحمۃ کو محض اس وجہ کہ وہ مسلمانوں کو تہذیبِ جدید اور انگریزی تعلیم کی دعوت دیتے تھے دائرۂ اسلام سے خارج اور محمڈن کالج علی گڑھ کو مرکز و منبعِ کفر تصور کرتے تھے۔ لیکن اسی قدیم صحبت اور گئی گزری زمانہ کی تہذیب کا کرشمہ تھا کہ قاضی صاحب نے خود کو رفتارِ زمانہ کے ساتھ چلایا اعلیٰ سوسائیٹی کی نشست

پسندگی اور بڑے لوگوں کی ہمنشینی سے ہمیشہ بچتے رہے۔ چنانچہ عارضی ملازمت کے دوران میں جب وہ بمقام اکبر پور تعینات تھے۔ وہاں کے نائب تحصیلدار صاحب کے ساتھ مع دیگر چند حضرات کے اکثر شام کو اسٹیشن پر بغرضِ سیر و تفریح چلے جایا کرتے تھے۔ ایک دن پلیٹ فارم پر یہ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے کہ ڈاک گاڑی آگئی اور ایک نوجوان انگریزی خاتون نے فرسٹ کلاس کی کھڑکی سے سر نکالکر دریافت کیا "یہ کون اسٹیشن ہے؟" نائب صاحب کے ساتھیوں میں سے کسی نے گستاخانہ فقرہ کسا یہ فوراً ہی الگ ہو گئے اور اور بھی جو سنجیدہ لوگ ساتھ تھے وہ بھی ادھر ادھر چلدیئے۔ نائب صاحب موجود رہے۔ غالباً اس خاتون کے کہنے پر ایک صاحب بہادر نے کھڑکی سے سر نکالا اور اردو میں پوچھا "یہ کون اسٹیشن ہے؟ اور تم کون ہے؟" نائب صاحب نے بکمال حاضر جوابی اسٹیشن کا نام اور اپنا عہدہ بتا دیا۔ ایک لحظہ میں ریل چلدی اور لوگوں نے فرمائشی قہقہہ لگایا۔ دو چار روز بعد معلوم ہوا کہ اس معزز انگریز نے نائب صاحب کی شکایت حکام بالا کو لکھکر بھیجدی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر تبدیل ہو گئے اور ان کا کوئی عذر مسموع نہ ہوا۔ انھوں نے اس واقعہ کے بعد صرف یہی نہیں کیا کہ اسٹیشن جانا ترک کیا ہو بلکہ ایسے لوگوں کی صحبت ہی قطعی چھوڑ دی جن پر غیر شریفانہ اخلاق کے حامل ہونے کا ذرہ بھر بھی گمان ہو سکتا تھا۔

۲۔ حلقہ مراسم و احباب ہر بڑے آدمی کی تعمیر اخلاق و عادات اور اس کے کارناموں کی قدر و منزلت کا راز اس کے طبقہ احباب کی نوعیت میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کی ہستی اس امر خاص میں بجا طور پر فخر و مباہات کر سکتی ہے کہ ان کے زمرۂ احباب میں جو ہستیاں نظر آتی ہیں اُن میں سے ہر ایک اپنے دائرۂ عمل میں ایک امتیازی مرتبہ رکھتی ہے۔

ان کے والد کے انتقال کے بعد سیٹھ جیدیال اور سیٹھ رگھبر دیال تعلقداران فخرالدین پور
ور وُسائے لسواں نے جن سے اُن کے والد کے بہت ہی شگفتہ مراسم تھے، ان کے ساتھ بہت محبت
کا برتاؤ کیا اور اخلاق سے پیش آکر بے تکلفی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ ان کی نشست و برخاست اکثر
انھیں حضرات کی صحبتوں میں رہی یہ بجد خوش اخلاق، آدابِ مجلس سے واقف، زندہ دل اور
روشن خیال بزرگ تھے۔

بعدِ امیدواری ملازمت وہ لکھنؤ میں ٹھاکر گمان سنگھ صاحب تعلقدار رام پور کی کوٹھی میں
مقیم تھے وہیں گنگا پرشاد صاحب ورما سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں صاحبان اودھ کی
تہذیب قدیم اور ایشیائی اعلیٰ اخلاق و علم دوستی کے مجسمے تھے۔ ورما صاحب کے توسط سے
منشی سجاد حسین مرحوم مدیر اودھ پنچ لکھنؤ سے بھی اتحاد بڑھ گیا، مرحوم کی ہستی مزید تعارف کی
محتاج نہیں وہ ظرافت آمیز نثر نگاری کے آسمان کے آفتاب درخشاں تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے
کہ اس طرز کے موجد و بانی اُردو زبان میں وہی تھے تو بیجا نہ ہوگا، ان کی حاضر جوابی۔ رنگین بیانی
سادگی و پرکاری اور اعلیٰ ادبیت پر تبصرہ کرنا عبث کہ عیاں راچہ بیاں۔

عارضی ملازمت و قیام اکبر پور کے زمانہ میں میر غضنفر حسین، سید باقر حسین تعلقداران
پیر پور، میر راحت حسین عزیز قریب و جانشین میر غضنفر حسین اور شیخ ولی محمد منیجر ریاست سمن پور
وغیرہ ہم سے خوب خوب صحبتیں رہیں۔ یہ تمام حضرات اودھ کی قدیم و جدید تہذیبوں سے ترکیب یافتہ
تہذیب کے نمونے، بڑے خوش اخلاق، صاحبِ ضبط اور عالی حوصلہ لوگ تھے۔

ابتدائی ملازمت کے دوران، پرتاب گڈھ کے ہندوستانیوں میں سید حامد
(خلف الرشید سر سید مرحوم) سپرنٹنڈنٹ پولیس، پنڈت کشن لال وکیل، پنڈت تربھون ناتھ سپرو،
شیخ عطاء اللہ وکیل، منشی تفضل حسین سررشتہ دار فرق تحصیل، منشی عظیم اللہ محرر کلیات،

منشی شیر افگن خاں، شام بہاری مصر بن پنڈت کشن لال پنڈت رگھبر دیال وکیل برادر پنڈت کشن لال اور ڈپٹی سید محمد وغیرہم سے ہر وقت کی صحبت رہتی تھی۔

(۱) رائے صاحب پنڈت کشن لال :- بریلی کے باشندے اور وہاں کے مشہور خاندانِ اطبا کے رکن تھے انھوں نے ایف۔ اے تک انگریزی پڑھی تھی کچھ دن سرکاری ملازمت کی تھی پھر وکالت پاس کر کے پرتاب گڈھ میں پریکٹس شروع کر دی تھی اور وہ نام پیدا کیا تھا کہ پرتابگڈھ میں کوئی وکیل ان کے مقابل نہ رہا تھا۔ ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی۔ بہت اچھا مکان بنوایا تھا معقول ریاست خریدلی تھی۔ میونسپیلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں، حکّام وقت ان کی بیحد قدر کرتے تھے۔ بڑے لائق فاضل، ادیب، زود فہم، حاضر جواب، مسافر نواز، دوست پرور، فیاض طبع اور وضعدار آدمی تھے۔ قاضی صاحب کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔

(۲) پنڈت رگھبر دیال :- رائے صاحب موصوف کے چھوٹے بھائی اور پرتابگڈھ کے ایک کامیاب وکیل تھے۔ رنگیں فراجی آزادہ روی اور وضعداری میں اپنی وضع کے بے مثل آدمی تھے۔ ان کے مکان پر اکثر ناچ رنگ کے جلسے رہتے تھے۔

(۳) پنڈت شام بہاری مصر :- رائے صاحب موصوف کے صاحبزادے ہیں زمانہ موجودہ میں جو دھپور کونسل کے ممبر ہیں۔ قاضی صاحب ان کو اپنے بھائی خان بہادر قاضی خلیل الدین مرحوم کی طرح تصور کرتے ہیں۔ گو رسم خط و کتابت نہیں لیکن جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ بھی قاضی صاحب سے خوردانہ پیش آتے ہیں

(۴) منشی تفضل حسین :- سررشتہ دار فرق تحصیل عمال پرتابگڈھ میں بڑے بامذاق اور مرنجان مرنج آدمی تھے۔ ابتدائی ”بے شک“ قاضی صاحب کا تکیہ کلام ہو گیا تھا۔ انھیں نے

ٹوک ٹوک کر یہ عادت چھڑائی۔

(۵) منشی عزیز اللہ مرحوم :۔ محرر کلیات تھے اور بعد میں تحصیلداری تک ترقی کر گئے تھے مگر امتحان پاس نہ کر سکنے کی وجہ سے سررشتہ داری پر واپس ہو گئے تھے بڑے با سواد اور ظریف الطبع آدمی تھے۔

(۶) منشی شیر افگن خاں :۔ خوشرو، مضبوط اور صابر آدمی تھے۔ یکرنگی و انشا پردازی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے قاضی صاحب کے پرتابگڈھی ابتدائی احباب میں تھے۔ جنھیں قاضی صاحب نے منصرم مردم شماری کر کے مستقل نوکری دلا دی تھی۔

(۷) سید حامد مرحوم :۔ خلف الرشید سرسید علیہ الرحمۃ۔ پہلے ہندوستانی تھے جو سپرنٹنڈنٹ پولس مقرر ہوئے۔ یہ وضع قطع اور خیالات میں بھی سید کے خلف اکبر تھے، انگریزی طرز معاشرت کا ہندوستانیوں کے لئے نمونہ اور ایک غیر معمولی طبیعت کے آدمی تھے۔ بڑے رنگیلے روپیہ کو مٹی سمجھنے والے، دوست پرست غرض ان میں سیکڑوں خوبیاں تھیں مگر خو د اپنے دشمن تھے یعنی انگریزوں سے تلاش کر کے لڑائی مول لیتے تھے۔

(۸) پنڈت تربھون ناتھ ہجر لکھنوی :۔ ڈپٹی منصرم دیوانی اور قاضی صاحب کے قدیم احباب سے تھے۔ یہ قدرتی طباع، ذہین، حاضر جواب، اعلیٰ درجہ کے ظریف، بہترین ناظم و ناثر اور بلند پایہ کے ادیب تھے۔ "فسانۂ آزاد" ان ہی کے زریں مشوروں کی وجہ سے عالمِ وجود میں آیا اور پنڈت رتن ناتھ درسرشار کو ان ہی کی آرا نے فسانہ نگاری کا نیرِ تاباں بنایا چنانچہ محمد یحییٰ تنہا بی۔ اے اپنے معرکۃ الآرا تصنیف "سیر المصنفین" حصہ دوم میں رقمطراز ہیں۔

"اصل کیفیت فسانۂ مذکور کی بنیاد پڑنے کی یوں ہے کہ جب سرشار کھیری سے لکھنؤ آئے تو یہاں شب و روز یارانِ دقیقہ رس و صحیح نفس کی صحبت میں گزرتی تھی۔ اس صحبت میں

جہاں ایک سے ایک طرار وحاضر جواب موجود ہوتا تھا، وہاں منشی سجاد حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ و پنڈت تربھون ناتھ ہجر بھی شریک ہوا کرتے تھے جہاں ایسے ایسے زندہ دل موجود ہوں وہاں کی کیفیت کا کیا کہنا۔ ع "غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئی یاروں میں" افسوس زمانہ نے اس مجموعۂ صحبت کو پریشان کر دیا۔ اردو انشا پردازی کا نام لکھنؤ میں انہیں کی ذات سے زندہ تھا ؎

یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ　　　سن رکھو تم فسانہ ہیں یہ لوگ

اس صحبت میں ایک روز پنڈت تربھون ناتھ ہجر نے کہا کہ اگر کوئی ناول ایسا ہے کہ جس کا ایک صفحہ پڑھے اور ممکن نہیں کہ بیس مرتبہ نہ ہنسے تو وہ ڈان کیک زاٹ (Don Quixot) ہے۔ اگر اردو میں اس طرز کا فسانہ لکھا جائے تو خوب ہو۔ حضرتِ سرشار کے دل پر اس وقت کی بات ایسی کارگر ہوئی کہ اردو میں ڈان کیک زاٹ کے انداز پر مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اودھ اخبار میں ظرافت کے عنوان سے مختلف مضامین شائع ہونے لگے۔ مضامین عموماً لکھنؤ کے رسم و رواج کے متعلق ہوا کرتے تھے مثلاً کبھی محرم پر ایک مضمون نکل گیا، کبھی چہلم پر، کبھی عیش باغ کے میلے پر اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ دس بیس مضامین نکل کر یہ سلسلہ ٹوٹ جائے گا اور حضرتِ سرشار کا بھی شاید یہی منشا ہوگا۔ مگر لوگوں کو یہ سلسلۂ مضامین ایسا بھایا کہ اس کے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی چنانچہ مختلف مضامین کی لڑیوں کو گوندھ کر فسانہ کا سلسلہ نکالا ———————

وہ اودھ پنچ کے مشہور معروف مضمون نگار تھے اور شاید ہی کوئی واقعہ پرتابگڈھ میں ایسا پیش آتا ہو جس پر وہ مضمون نہ لکھتے ہوں۔ بیحد حاضر جواب، بدیہہ گو اور بدیہہ نویس تھے گویا قلم

دوات لئے لکھنے کو تیار ہی بیٹھے رہتے تھے۔

(۱) لطیفہ۔ ایک روز افسرانِ پرتاب گڈھ میں سے ایک صاحب کے یہاں جلسۂ رقص و سرود تھا۔ گوہر جان جو اُن دنوں حسن فروشانِ پرتاب گڈھ میں بہت ہی مشہور و ممتاز تھی ناچ رہی تھی یہ اور ان کے ایک خاص دوست دونوں محفل میں پہونچے۔ گوہر نے عاقدِ محفل کی صحبت میں ان حضرات کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ یہاں کیسے؟ اور انھیں دیکھتے ہی یہ مصرع پڑھا "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" اس کا یہ فقرہ پنڈت جی کو سخت گراں گزرا اور صبحدم یہ دو[۲] قطعے اس کی شان میں تصنیف کر ڈالے۔

۱۔ "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" کیوں جی یہ طرزِ گفتگو کیا ہے؟
لاکھ گوہر کہیں جو بیدھے ہیں جھوٹے موتی کی آبرو کیا ہے؟

۲۔ آج کس کے خرامِ ناز سے ہجر ہو رہا اک سڑک پہ الو ہے؟
جب ڈھلکتی ہوئی چلی گوہر لوگ کہنے لگے کہ "لولو ہے"

اس واقعہ کے بعد انھوں نے کئی بار "اودھ پنچ" میں اس کا مضحکہ اڑایا اور وہ ہمیشہ ان سے بیحد جھپتی رہی۔

(۲) لطیفہ۔ مذکورۂ بالا گوہر نہایت حسین عورت تھی مگر فربہ اندام۔ اس سے ایک کشمیری پنڈت صاحب سے جو ایک معزز عہدے پر ممتاز تھے تعلق تھا۔ پنڈت جی کی عمر ساٹھ[۶۰] برس سے کم نہ تھی اور گوہر کی اٹھتی جوانی۔

برس پندرہ[۱۵] یا کہ سولہ[۱۶] کا سن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

حضرت ہجر نے ایک مرتبہ "اودھ پنچ" میں ایک نہایت فحش مضمون لکھتے ہوئے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے

شجرِ کہنہ ہو گئے سرسبز — کیا ہی گوہر کی آبیاری ہے؟

چونکہ قاضی صاحب اپنی زود نویسی کی بدولت سر سید مرحوم کے منظورِ نظر تھے اور وہ ان کو اکثر اپنی تقریریں قلمبند کرنے کے لئے بلا بھیجتے تھے اس لئے بہت سے علماء، فضلاء، معززین اور مصلحین سے ان کے مراسم پیدا ہو گئے تھے اور ان کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کا انھیں خاص طور پر موقع ملتا تھا۔

انگریزوں میں کرنل برکنس اور میجر لو ڈپٹی کمشنر ان سے اُن کے خوردانہ و بزرگانہ مراسم تھے بلکہ مؤخر الذکر اور ان کی میم صاحبہ دونوں ان کو اپنی اولاد کی طرح تصور کرتے تھے۔ اُن کو انگریزی زبان، انگریزی لب و لہجہ اور انگلش ایٹی کیٹ (انگریزی طرز و وضع) کے سکھانے میں اِن دونوں میاں بی بی کو خاص دخل ہے۔

مسٹر ایلیس اسسٹنٹ کمشنر ایک نہایت خوشرو، خوش اخلاق، شریف اور وضع سولین تھے اُن سے اور قاضی صاحب سے دوستانہ مراسم تھے۔ بستی کی تحصیلداری کے زمانہ میں مسٹر اسمتھ سے سابقہ ہوا جو وہاں کے قائم مقام کلکٹر اور بجد لایق فائق اور انگریزی زبان کے اعلیٰ انشاپرداز تھے[1]۔

علاوہ ازیں جوں جوں وہ ترقی کرتے گئے اُن کا حلقۂ مراسم واحباب وسیع ہوتا گیا اور اس وقت اُن کی خوش اخلاقی، خوش سیرتی، خوش نظمی اور اعلیٰ قابلیت کی بنا پر تعلیم یافتہ طبقہ کا بچہ بچہ خواہ انگریز ہو یا ہندوستانی ان کے نام نامی سے بخوبی واقف ہے ہندوستان کے سیاسی اور ملکی محکموں کے انگریز اعلیٰ حکام میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس سے ان کی شگفتہ

---

[1] یہ وہی ونسنٹ اسمتھ ہیں جو لندن کے مورّخوں اور انشاپردازوں کے گروہ میں خاصی شہرت و ناموری رکھتے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف "تاریخ ہند" (بزبان انگریزی) آج تک ہندوستانی مدارس کی درسیات میں شامل ہے اور اس کو اکثر اہلِ تاریخ ایک معتبر تاریخ تسلیم کرتے ہیں۔ گ‍ذشتہ = ۱۲

مراسم نہ ہوں۔ دیسی رؤسا، تعلقداران اور والیان ملک میں تو قریب قریب اکثر سے وہ خوشگوار مراسم رکھتے ہی ہیں۔ نواب سر مزمل اللہ خاں بہادر آف بھیکم پور۔ آنریبل جسٹس نعمت اللہ، جج ہائیکورٹ، الہ آباد، راجہ تصدق رسول خاں مرحوم سی۔ ایس۔ آئی۔ تعلقدار جہانگیر آباد، خان بہادر عبد الحمید خاں، دیوان، کپور تھلہ، مرزا محمد اسمعیل بالقابہ دیوان میسور، خان بہادر اشفاق حسین خاں ممبر جے پور کونسل، راجہ کشن کمار، آنجہانی رئیس مراد آباد، راجہ سورج بخش سنگھ او۔ بی۔ ای۔ آف کماپور، راجہ ہری پال سنگھ، تعلقدار بکرا (سیتاپور) اور سیٹھ مہیشر دیال۔ بی۔ ایس۔ سی تعلقدار کرا وغیرہ ہم سے انھیں اتحاد قلبی حاصل رہا اور ہے۔

یہی رنگارنگ سوسائٹیاں اور شخصیتیں ہیں جن کی شمولیت اور ہم نشینی نے قاضی صاحب کی طبیعت کو ہمہ گیر اور مختلف و متضاد قابلیتوں کا حامل بنا کر انھیں ہر دلعزیز بنا دیا۔ وہ اصلاح ملک و ملت، اصلاح معاشرت، ترجمہ کاری، مضمون نگاری، تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر، عام مخالفت کے مقابلہ، مختلف مواقع پر مختلف ملکی کاموں کے لئے حصول سرمایہ، ملازمت کی اندرونی پیچیدگیوں کے سلجھاؤ، انتظامی امور (مثل نگرانی تعمیرات، فصل مقدمات، کاروبار دفاتر، جمعیتوں اور مجالس کے قیام، مختلف المذاق والمراتب ہستیوں کی مہمان داری وغیرہ وغیرہ) کے سرانجام میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں اور یہ ایسی خداداد قابلیتیں ہیں اور انھوں نے ان کو اس خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے کہ وہ ہندوستانی اعلیٰ طبقہ میں بنظر حیرت دیکھے جاتے اور ہمہ وقت خراجِ داد و تحسین حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ پروپیگنڈا اُن کو سب سے بڑا کمال یورپ کے موجودہ آلۂ کامیابی مقاصد "پروپیگنڈا" میں حاصل ہے دورانِ "جنگ عظیم" انھوں نے اس قابلیت واہلیت کی نمائش جس عمدگی سے کی ہے اس کی مدح و ثنا میں زبانِ قلم قاصر ہے۔ اس فن میں آپ کے کمال کا اظہار

ان چند سطور سے ہو سکتا ہے جو کرنل ڈی بی بلیک وے سی-ایس-آئی-سی-آئی-ای ایجنٹ گورنر جنرل کے خط مرقومہ ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۲۲ء سے مقتبس ہیں۔

"........ آپ کے مضامین و رسائل سے مجھکو پتہ چلتا ہے کہ آپنے ہندوستان کے تمام طبقات کے لوگوں میں اپنی عمدہ اور محنت سے لکھی ہوئی تصانیف سے اچھے خیالات پیدا کئے ...."

اس فن خاص میں آپ کی سلیم المذاقی و کمالات کی وہ ہستیاں بھی قائل ہیں جو صرف یہی کام کرتی رہتی ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اُن سے مشورہ کرتی اور ان کے زرین مشوروں پر عمل پیرا ہوکر ہم آغوشِ کامیابی ہوتی ہیں چنانچہ پبلسٹی کمشنر یو۔ پی نے ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں اُن کو ایک خط میں تحریر کیا

"........ گزشتہ نومبر میں میں نے آپ کے زریں مشوروں سے بہت فائدہ اٹھایا اور میں نے جس خیال کو قائم کیا آپ نے اس کو فوراً اپنے زورِ قلم سے رسائل کے ذریعہ پورا کر دیا ......"

کمشنر صاحب موصوف ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"........ آپ کے پاس بھیجتا ہوں اُسے دیکھکر بتلایئے کہ یہ پمفلٹ (رسالہ) زمانۂ حال میں تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں ..... یہ بھی مطلع کیجئے کہ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ...."

۴۔ تصنیف و تالیف قاضی صاحب کو مشغلۂ تصنیف و تالیف سے جو خاص دلچسپی ہے اس کی دوسری مثال ذرا مشکل سے ملے گی۔ باوجود ہجومِ افکار رنگا رنگ مصروفیتوں کے ان کی تصنیفات کی تعداد بہت ہے ان میں قانونی و تاریخی کتابیں

تراجم، سوانح اور بلند پایہ اخلاقی رمان (ناول) شامل ہیں۔

اِن تصانیف میں بڑا حصہ اُن اخلاقی ناولوں کا ہے جن کو انھوں نے خاص خاص مقاصد پیش نظر رکھکر شائع کیا اور ایسے موضوعات پر قلمرانی کی جس کا گزشتہ نصف صدی عیسوی تک ہندوستانی سوسائٹیوں اور ادبیات میں شان وگمان بھی نہ تھا اور جن کی اشاعت کا ناگزیر نتیجہ مخالفت کا وہ سیلاب تھا جس کی رَو آج تک ختم نہ ہوئی لیکن باایں ہمہ انھوں نے جس آسانی و قدرت کے ساتھ ان مسائل پر داد انشاپردازی دی وہ لایق ستایش ہے۔

ان کی کم فرصتی اور منصبی مصروفیتوں کو دیکھتے ہوئے جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ چار درجن سے زیادہ مطبوعہ و منتشرہ کتب و رسائل کے مصنف ہیں اور اپنی تصنیف کردہ ایسی کتابوں کی ایک معقول تعداد رکھتے ہیں جو غیر مطبوعہ یا نامکمل ہیں تو حیرت و استعجاب کی کوئی حد وانتہا نہیں رہتی۔

۵۔ خدمات اُردو ناول نگاری کے ذریعہ سے انھوں نے جو اُردو کی بے مثل خدمت کی ہے اس کے احسان سے یہ زبان کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ اُن سے پہلے قطع نظر شمس العلما، مولوی نذیر احمد صاحب، دھلوی مرحوم کی کتابوں کے جو قصص میں شمار ہوتی ہیں اعلیٰ اخلاقی و اصلاحی ناولوں سے یہ زبان قریب قریب قطعی عاری تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس قسم کے ناول لکھکر اس طریق کے رہرووں کے لئے ایک ہموار شاہراہ تیار کردی۔ اُردو ادبی دنیا آج بھی باوجود اس قدر وسعت پیدا کرنے کے آپ کے دلکش اور عبرت آموز ناولوں کی تمثیل پیش کرنے سے معذور ہے سیرۃ نگاری اور مکالمہ نویسی میں اظہار کمال کرتے ہوئے انھوں نے دامنِ اُردو کو بہت وسعت دی ہے۔

۶۔ اُردو نثر اور اس کی خصوصیات ان کے اردو نثر، اس کا طرز تحریر اور ان کی خصوصیات

نثاری تشریح طلب ہیں اور اس قابل کہ ان پر مستقلاً ایک جداگانہ باب میں بحث و تمحیص کی جائے۔ لیکن طولِ کلام کا خیال ان کی توضیحات سے باز رکھتا ہے تاہم ان کی تحریرات میں مذہبی و علمی مباحث، سیاسی مسائل، قانونی تحریرات، فیصلہ مقدمات، بے تکلف خطوط و واقعات ادبی و تاریخی مضامین موجود ہیں جن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کا قلم ہر مضمون پر یکساں اور موزوں قابلیت کے ساتھ چلتا ہے۔ ممکن نہیں کہ جو شوخی و زندہ دلی ادبی مضامین و خطوط میں پائی جاتی ہے وہ علمی و مذہبی مباحث میں نظر آ جائے یا جو متانت، سنجیدگی اور صفائی عدالتی تجاویز میں ہے وہ سیاسی و تاریخی مضامین کو بے لطف کر دے باایں ہمہ ہر رنگ میں پختگی کے جوہر نمایاں نظر آتے ہیں

؎ آنکھوں پہ بٹھایا ہے جس بزم میں جا بیٹھے

روانی، شستگی، موزونیت اور بے ساختگی کے ساتھ ظرافت کی چاشنی ان کے عام طرزِ تحریر کا جوہرِ خاص ہے اس پر طرہ یہ اور کہ آورد کا کہیں نام بھی نہیں ہوتا۔

(۱) کتاب ہذا میں جا بجا ان کی سنجیدہ نثر کے نمونے مندرج ہیں تاہم مناسبت موقع کے لحاظ سے یہاں بھی ایک نمونہ پیش کرنا ضروری ہے۔

(ہو ہذا):-

شاہزادہ جارج کی خوبیاں آفتاب سے زیادہ روشن ہیں متانت ان کا فطرتی جوہر ہے اچھی طبیعت والوں کی طرح وہ اپنے خیالات کا جلد اظہار نہیں کرتے۔ غور و فکر سے ہمیشہ کام لیتے ہیں۔ جو چیز دیکھتے ہیں اس کے سمجھنے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت ہی پابندِ وقت ہیں۔ وعدے کے سچے، بات کے دھنی اور نہایت مستقل مزاج ہیں ؎

وعدہ ان کا جیسے پتھر کی لکیر

فضلِ حق سے ہیں بڑے روشن ضمیر

یادِ معبود صدا پیش نظر رکھتے ہیں
رات دن خالقِ مطلق کا وہ ڈر رکھتے ہیں

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا پرست اور راستباز ہیں۔ باوجود شاہزادہ ہونے کے سحر خیز، نہایت چست و چالاک، باقاعدہ اور با اصول ہیں۔ سختی کا خوف نہ مشقت کا ڈر وقت پڑے تو سپاہیوں کی طرح محنت کرنے کو تیار۔ انسان کی تکالیف اور مصائب سے واقف و خبردار۔ بلا اس خیال کے کہ کوئی مفلس مصیبت میں گرفتار ہے یا خوش حال ہر وقت شرکت و امداد کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور ہمیشہ اس پر عمل رہتا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

باوجود متانت کے اس قدر زندہ دل اور خوش مزاج کہ جس محفل و مجلس میں شریک ہوں اس میں تازگی پیدا کر دیں ؎

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

باتیں کرنے کا بہت شوق ہے اور بذلہ سنجی کا بیحد ذوق۔ آپ کی گفتگو ہمیشہ سلیس اور فصیح ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے اس خوبی سے کہتے ہیں گویا منہ سے پھول جھڑتے ہیں آپ کو اکثر انجمنوں اور جلسوں کا صدر انجمن ہونا پڑتا ہے جو تقریریں ان مواقع پر کرتے ہیں وہ نہایت لطیف اور معنی خیز ہوتی ہیں اور سامعین پر انکی گفتگو کا خاص اثر پڑتا ہے۔"

(ماخوذ از تذکرۂ ولیعہد)

(۲) ظریفانہ نثر کا نمونہ

عجب خطہ ہے بستی کا خدا آباد رکھے اسکو
کہیں جلسہ کہیں لکچر کہیں تکبیر ہوتی ہے

مشرا دھو پیچ! اگڈ مارننگ۔اس میں شبہ نہیں کہ آپ مجھے اگر پورا مردہ نہیں تو زندہ درگور تو ضرور ہی سمجھ چکے ہوں گے۔لیکن خدارا کہیں مردہ دل نہ سمجھ لیجئے گا۔کیونکہ یہ اپنا ہمیشہ سے عقیدہ ہے ؎

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

"اچھا یہ تو ارشاد ہو کہ طبیعت کا تھرما میٹر آج کل کس درجہ پر ہے؟ حضرت! یہ نہ پوچھئے آج کل بندے کا مزاج نہیں ملتا اور مزاج نہ ملنے کی کیا وجہ۔آپ جانتے ہیں ایجانب کا دائرۂ ظرافت بند وبست کی بدولت بالفعل بستی شریف میں ہے۔بھئی واللہ بستی بھی عجیب مقام ہے۔اہو ہو ہو۔یہاں کے بنگلوں کے آگے پیرس اور لندن کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔کہیں برائے خدا یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ میری مراد اُس مرحوم بستی سے ہے جس میں ہمارے آنکھوں کے اندھے راجہ صاحب بہادر کا قیام ہے۔بلکہ میرا منشاء پکے علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے اور تو جو کچھ تعریف میں کروں وہ زیبا ہی ہوگی۔لیکن چشم بددور دل جلے پن کا تو یہاں خاتمہ ہے۔جسے دیکھئے کلیجہ پکڑے ہوئے ہائے ہائے کر رہا ہے چھوٹے سے لیکر بڑے تک مرض عشق میں گرفتار پھر جب یہ کیفیت ہو تو حسینوں کی بھرمار آپ ہی ہوگی۔حضرت یہ وہ مقام ہے جس کی تعریف کوئی بی مشتری سے پوچھے کہ بے دیکھے ہزاروں کو سنے سناتی ہیں"

میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی زبان میں کل لگ گئی ہے روکے نہیں رکتی؟"

"اجی حضرت اب رکنا کیا۔ مجھے ابھی یہاں کے بہت سے قصیدے آپ کو سنانے ہیں۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر بارہ[۱۲] حملے کئے۔ کہئے "ہاں!" اور ہماری بستی شریف پر رنڈیوں نے تیرہ[۱۳] حملے کئے!" "یہ کیسے؟" مجھ سے سنئے۔

حملہ اوّل

بی امامن ردولوی نے ۲۵، مارچ ۱۸۳۶ء میں بستی کے باشندوں کی بوالہوسی کی شہرت سنکر حملہ کیا۔ ہنوز پل کے اس پار نہ ہونے پائی تھیں کہ سب لوگ بکمال عجز و انکسار حاضر ہو گئے اور وہ پاپوش بخشی کرکے روانہ گورکھپور ہو گئیں اور وہاں سے سیدھی خدا گنج کو چلدیں۔

حملہ دوم وسوم

چنداں مشہور نہیں۔ لہٰذا بخیال طوالت عرض نہیں کرتا۔

حملہ چہارم

الہم احفظ۔ الہم احفظ۔ حضرت یہ حملہ تھا بی نخل ردولوی کا: نگاہوں کے لشکر، ابروؤں کے خنجر، مژگاں کے تیر سب سامان لیکر جو چڑھائی کر دی تو اللہ دے اور بندہ لے۔ تیمن چار ماہ کامل جنگ رہی۔ آخرکار ہر ایک کو بندہ بنا کے چھوڑ دیا اور واپس وطن مالوفہ ہوئیں جو مال کہ لوٹ کا ہمراہ لے گئیں اس کی تفصیل یہ ہے:

دوشالہ	دل عشاق	وغیرہ	وغیرہ	حمل
۳ عدد	۵ صندوق	بیحد	+	یک طفل

مورخوں کا اس حملہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ لیکن مولوی یادداشت علیصاحب نے

اپنی نوٹ بک میں ، ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء تاریخ لکھی ہے۔" ....

....

(از جلد نہم اودھ پنچ مطبوعہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء)

۷۔ شاعری

سخن فہمی اُن کا حصہ ہے اور وہ اکثر شعروسخن کی مجلسوں میں بذوقِ تمام شریک رہے ہیں چنانچہ جس زمانہ میں بستی کے تحصیلدار تھے اس زمانہ میں گورکھپور حضرت ریاض خیرآبادی مرحوم کی موجودگی کے باعث زیارتگاہ شعروشاعری تھا وہ ان سے اکثر ملتے جلتے اور خوب خوب صحبتیں رہتیں۔ ریاض مرحوم نے انکی سخن فہمی و قدردانی کی وجہ سے اپنی ایک شہرہ افاق نظم "بیل کی سرگزشت" موسومہ بہ "آتشِ گل" کو ان کے نامِ نامی پر معنون کیا ہے۔ جون پور کی ڈپٹی کلکٹری کے عہد میں صفدر مرزاپوری مرحوم اور دوسرے اور شاعروں کا ساتھ رہا اس زمانہ میں صفدر مرحوم کانگریس کے خلاف نظمیں ، گیت اور کجریاں لکھنے میں مشغول تھے وہاں بھی شعروسخن کا خوب چرچا رہا تربھون ناتھ ہجر آنجہانی اور دوسرے سخن سنج حضرات سے بھی ہر وقت کی نشست و برخاست رہی لیکن اس خود فراموش جذبہ کو خود سے کبھی آشنا نہ ہونے دیا تاہم اس ذوق سے وہ عاری بھی نہیں ہیں کسی جذبہ سے مجبور ہو کر یا بالضرورت جو کچھ کہتے ہیں کسی دقیقہ رس کو اُس پر نکتہ چینی اور عیب گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ باب سوم میں بعنوان "حوادثِ روزگار" کے تحت میں ہم نے انکی ایک رباعی نقل کی ہے جو انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی حمید مرحوم کی وفات پر لکھی تھی۔ درحقیقت وہ رباعی انکے دلی جذبات کا آئینہ ہے۔

عام طور پر انھوں نے نظموں کی صورت میں جو کچھ لکھا ہے اس کی بنیاد سیاسیات یا ظرافت پر ہے اور ان کی قادرالکلامی پر دال مثلاً

مرے جلانے کی خاطر ہے ننگا خط بھیجا لکھا رقیب کو بیوجہ اس نے کارڈ نہیں۔

معاملہ مرے دل کا خدا پہ مت رکھو مجھے قبول کسی طرح یہ اوارڈ نہیں

اگر میری رائے غلطی نہیں کرتی ہے تو تلاشِ قافیہ میں وہ حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔

۸۔ ترجمہ کاری کسی دوسری زبان سے ترجمہ کرنے میں سب سے زیادہ دقت اس معاملہ میں ہوتی ہے کہ اصل کتاب اور مصنف کا منشائے دلی بھی فوت نہ ہو اور ترجمہ اپنے زبان کے محاورے اور روزمرہ سے بھی نہ گرنے پائے۔

جس وقت قاضی صاحب نے انشا پردازی کا مذاق بہم پہونچایا ہے اس وقت اردو ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی جس کے باعث بظاہر دوسری زبانوں کے مطالب کا منتقل ہونا اس میں دشوار تھا تاہم انھوں نے کتبِ تاریخی و قانونی کا ترجمہ اس خوبی سے اردو میں کیا کہ وہ کامل الفن تسلیم کرلئے گئے اور حکومت ہند نے رائل وزٹ اور قانون مالگزاری وغیرہ جیسی معتدد اہم کتب تاریخ سیر اور قانون کا اُن سے ترجمہ کرایا اور اب بھی جو کام نکلتا ہے اِن ہی سے لیا جاتا ہے اور وہ باوجود ضعف پیری و ہجوم کار کے اسکو باحسنِ وجوہ انجام دیتے ہیں۔ وہ نظم سے نظم اور نثر سے نثر یا اس کے برعکس ہر صورت میں ترجمہ کرنیکی مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

موجودہ ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز کی ولادت باسعادت کے موقع پر مسٹر ایڈون، ارنلڈ اور کپلنگ نے ظرافت آمیز نظمیں اور مسٹر لوئس، مارس نے دلچسپ رباعیاں لکھی تھیں۔ قاضی صاحب نے ان میں سے بعض بعض کے مضامین کو اپنی زبان کا جامہ پہنایا ہے ایک رباعی کا ترجمہ سے

شاہزادہ جیئے ہزاروں سال پاس آئے نہ اس کے رنج و ملال

رہے بدھا کا سایہ اس پہ مدام بطفیلِ گنیش و لچھمن و رام

مثل میرے وہ دیکھے ہندوستان گھومے سیلون چین اور جاپان
ہند کے دیکھے سانپ اور بچھو کہیں گرگٹ نظر پڑے اُس کو

(از "تذکرہ ولیعہد")

ہم کچھ اور نمونے پیش کرتے لیکن چونکہ لیتھو پریس کی مجبوریوں کے باعث اصل عبارت (انگریزی) کا پیش کرنا دقت طلب ہے اسلئے بیکار ہے کیونکہ بغیر اصل و ترجمہ دونوں کی موجودگی کے صحیح اندازہ قدرت ترجمہ کا ہو ہی نہیں سکتا۔ شائقین کو چاہئے کہ وہ ان کی ترجمہ کردہ کتابیں مع اصل کتابوں کے مطالعہ کریں۔

۹۔ ہندی زبان دانی ہندی اور بھاشا کی باریکیوں اور خوبیوں کو وہ بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ "مہا دھرم منڈل" بنارس کا ان کو "راج رتن پروین" کا معزز خطاب دینا، بدری جاترا کی تصنیف، دوران جنگ عظیم قرضہ، رکروٹنگ وغیرہ کے متعلق اردو کتابوں کے ہندی ترجمہ کی اشاعت اور حکومت ہند کا سرکاری کتابوں کے اردو ہندی ترجمے اور دونوں کے طبع ونشر و تصحیح کا کام ان کے سپرد کرنا ان کی اعلیٰ ہندی دانی کی دلیل روشن ہے۔

۱۰۔ زبان انگریزی کی قابلیت زبانِ انگریزی کے وہ بہت بڑے ماہر ہیں اور اسکی ادبی خوبیوں کے سمجھنے میں کامل۔ ان کا لب ولہجہ انگریزوں کے مثل، اور ان کا طرز تحریر یورپینس کے ہم پلہ۔ وہ بے تکان ایک بڑے سے بڑا مضمون قلمبرداشتہ لکھ دیتے ہیں۔ ان کی اعلیٰ ادبیت، شیریں کلامی اور طرز تحریر کی خوبی ہی کا باعث ہے جو پاینیر (الہ آباد) انڈین ڈیلی ٹیلیگراف، سول اینڈ ملٹری گزٹ، اسٹیٹس مین اور لیڈر جیسے موقر اخبارات میں ان کے مضامین نمایاں جگہ پاتے ہیں اور ان کی انگریزی تصانیف عام طور پر بہ نظر پسندیدگی مطالعہ کی جاتی ہیں۔

۱۱۔ عربیت و فارسیت چونکہ بچپن میں ان کو عربی، فارسی کی بہترین تعلیم دی گئی تھی۔

اس لئے عربی اور اس کے نکات عمدگی کے ساتھ سمجھتے ہیں۔ ان کی اردو اور انگریزی تحریرات میں جابجا عربی مقولے، احادیث اور قرآنی آیات جس عمدگی کے ساتھ ضم نظر آتی ہیں اس سے انکی قدرتِ عربیت کا پتہ چلتا ہے۔

فارسی کے وہ ادیب ہیں اور اس زبان کو وہ بے تکلف لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ امیر صاحب کی ہمرکابی نے فارسی بولنے میں اہلِ زبان کی سی بے ساختگی اور ان کے لب و لہجہ نے کافی دخل پا لیا ہے۔

۱۲۔ خوشنویسی و زود نویسی

چونکہ ان کو ایک ماہرِ فنِ خطاطی سے مشق کرائی گئی تھی۔ اس لئے اردو فارسی خط نہایت پاکیزہ ہے اور نستعلیق و شکست نہایت دلآویز لکھتے ہیں ساتھ ہی اس کے انھیں فن خطاطی کے نکات پر عبور کامل ہے انگریزی اور ہندی خط بھی بیحد پختہ اور خوب ہے حتیٰ کہ فنی فروگزاشت ذرّہ برابر بھی نہیں پائی جاتی۔

زود نویسی اُن کا جوہرِ خاص ہے۔ اس کمال کے باعث تو وہ سر سید کے منظورِ نظر ہی ٹھیرے تھے اور انھوں نے اخباری دنیا اور سر آکلینڈ لفٹنٹ گورنر یو۔ پی وغیرہم جیسے ذمّہ دار افسرانِ اعلیٰ کے طبقہ میں شہرت خاص حاصل کی تھی۔

۱۳۔ فریمیسن سے دلچسپی اور اس کے کمالات

فریمیسن سے ان کو ہمیشہ بہت دلچسپی رہی تا آنکہ ۱۸۸۵ء میں وہ اس حلقہ میں شامل ہوئے اور اپنی اہلیت و قابلیت سے انھوں نے اس کے مدارج و مناصب علیا حاصل کئے۔ علیگڈھ، فیض آباد۔ اور دھولپور میں اُنھیں کی مساعی سے اس جمعیۃ کے لاج قائم ہوئے ہیں

۱۴۔ مذاقِ تعمیرات و آثار قدیمہ

فن تعمیرات و آثار قدیمہ سے انھیں خاص دلچسپی ہے اور گو انھوں نے ان فنوں کی باقاعدہ تحصیل نہیں

کی ہے مگر تجربہ اور مشاہدہ نے وہ قدرت پیدا کر دی ہے کہ وہ ایک ماہر فن کی طرح بصیرت تامہ رکھتے اور دونوں کے عیب و ہنر کو نہایت اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔

۱۵۔ کمالِ زراعت، نسل کشی و نگہداشت جانوران

فن باغبانی و کشاورزی اور فن نسل کشی و نگہداشت حیوانات کو بھی آپ نے گو باقاعدہ حاصل نہیں کیا ہے لیکن، کتب بینی اور تجربات سے ان فنون میں ید طولیٰ رکھتے ہیں

چنانچہ مختلف مقامات پر عوام کو سکھانے اور درس اہل مذاق کے لئے انھوں نے زراعتی فارم، پولٹری فارم (مرغی خانہ) اور نسل کشی خچران کے فارم قائم کئے فن زراعت کے تو وہ اتنے زبردست ماہر تصور کئے گئے کہ گورنمنٹ نے انھیں اسسٹنٹ ڈائرکٹر یو۔پی مقرر کیا اور وہ عرصہ تک اس عہدۂ جلیلہ کی خدمات باحسن وجوہ انجام دیتے رہے

۱۶۔ ملکۂ تقریر

گو خطابت (لیکچراری) سے ان کو کوئی خاص دلچسپی نہیں، تاہم اپنے عہدے اور رتبہ کی حیثیت سے انھیں اکثر تقریریں کرنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اُن کی تقریر شستہ اور برجستہ ہونے کے علاوہ موزوں، مناسب محل عام فہم اور دلچسپ ہوتی ہے شستگی و روانی ان کا جوہر خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تاثیر کی کمان سے نکلکر تیر کی طرح دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں اور ہر سُننے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے ؎

"دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے"
(غالب)

پہلی تقریر انکی وہ تھی جو انھوں نے اپنے مربی میجر لو ڈپٹی کمشنر پرتاپگڈھ کی ناگہانی وفاتِ حسرت آیات پر، پرتاپگڈھ ہائی اسکول میں جلسۂ تعزیت منعقد کرتے ہوئے کی تھی اور سامعین کو

رُلا رُلا دیا تھا۔ مسٹر ایلن اسسٹنٹ کمشنر ضلع مذکور ہمیشہ اس اندوہناک اور پرتاثیر تقریر کی داد دیتے رہے۔

لطف اور کمال یہ کہ وہ تقاریر کے لئے پہلے سے شاذونادر ہی تیاری کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں عموماً فی البدیہہ۔

عام طور پر بات چیت کرنے میں وہ بہت ہی سلیس، سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں اور عام انگریزی داں اصحاب کی طرح باوجودیکہ قریب قریب ہر وقت ہی انھیں انگریزی تحریر و تقریر سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، انگریزی الفاظ دورانِ تقریر و گفتگو بہت کم استعمال کرتے ہیں اور اگر کوئی انگریزی لفظ بول جاتے اور مخاطب انگریزی داں نہیں ہوتا تو فوراً اس کے ساتھ اس کا اُردو ترجمہ بھی کر دیتے ہیں تاکہ اُسے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔
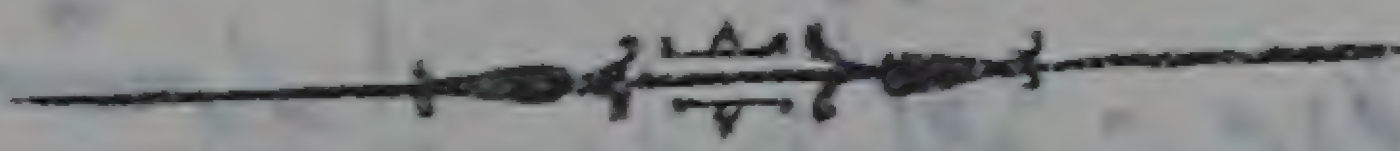
باب یازدہم

خصائل وصفات

قاضی صاحب جس طرح اپنے محاسنِ خارجی میں یکتائے روزگار ہیں اسی طرح صفاتِ ذاتی میں بھی ممیز وممتاز ہیں۔ اولوالعزمی، استقلال، بلند نظری، عالی ہمتی، حبِ وطن، ایثار، کسرِ نفسی، شوخی، ظرافت، زندہ دلی، بے تعصبی غرض تمام اعلیٰ صفاتِ انسانی ان کی ذاتِ واحد میں جمع ہیں اور

ع۔ وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

۱۔ مستقل مزاجی جوہرِ استقلال کو انھوں نے خود سے کبھی مفقود نہ ہونے دیا۔ جن خوبیوں نے ان کے کارنامہ حیات کو چار چاند لگائے ان میں اس صفت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اسی نے ان کو ایک چھوٹے سے درجے سے اِس مرتبہ پر پہونچایا اور یہی ان کی مشکلات میں ان کے آڑے آئی اور ان کی ڈھارس بندھاتی رہی۔ اسی نے ان کے مقابلہ میں ان کے مخالفین کو ہمیشہ نیچا دکھایا۔

۲۔ جفاکشی اور بہادری وہ وزرائے قدیم کی طرح جہاں صاحبِ قلم ہیں وہاں صاحبِ سیف بھی ہیں اور بہادری و دلاوری کے جذبات سے اِن کا دل معمور ہے اکثر و بیشتر مواقع پر انھوں نے اپنی دلاوری وجفاکشی کے بین ثبوت دیئے یو۔ پی۔ پولیس ہمیشہ ان کی مرہونِ منت رہی اور اکثر خطوط، سرکاری رودادوں اور کاغذات میں حکام پولیس نے ان کی ان مساعی کا جو انھوں نے بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی اور

ان کے استیصال میں برٹش یا برطانوی حکام کو ان مواقع پر جو امداد دی اعتراف کناں شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولس۔ یو۔پی۔ اپنی ہمسایہ دیسی ریاستوں کی امداد اور ان سے اپنے صوبہ کی پولیس کے خوشگوار تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی رپورٹ میں رقمطراز ہیں۔

"حسب دستور سابق (ریاست) دھولپور نے آگرہ پولس کو ڈاکوؤں کی گرفتاری میں بہت مدد دی۔ میں خاص طور پر قاضی عزیزالدین احمد۔ او۔بی۔ای۔ آئی۔ایس۔ او۔ جوڈیشل سیکرٹری دھولپور کا بہت ممنون ہوں جنھوں نے ان معاملات میں بہت مدد دی۔

(ماخوذ از رپورٹ آف ایڈمنسٹریشن آف پولیس۔ یو۔پی۔ بابتہ ۱۹۲۱ء)

ماہ جون کی ناقابل برداشت گرمی میں مسلسل تین ہفتہ تک جنگلوں میں رہ کر ٹھاکران جھری (دھولپور) کی سرکوبی اور قلعہ بھیم پورہ کی فتح (جس کا مفصل تذکرہ ریاست دھولپور کی خدمات وزارت کے ذیل میں ہم نے بہ عنوان "فتح جھری" کیا ہے) انکی جفاکشی وبہادری کی دلیل قطعی ہے۔

نظام اوقات ان کی جفاکشی ومحنت کا اندازہ انکے موجودہ تقسیم اوقات سے بھی ہوسکتا ہے وہ صبح ۶ بجے بیدار ہوتے تھوڑا سا کوکو پیتے اور کار تحریر میں مشغول ہوجاتے ہیں اور زبانی حکام سے ملاقات کرتے جاتے ہیں ۹ بجے کھانا کھاتے اور اس کے بعد اجلاس شروع کر دیتے ہیں جس وقت تک کام ختم نہ ہو کرتے رہتے ہیں۔ شام کا کھانا ۴ ½ بجے کھا کر تھوڑی دیر موٹر پر بیٹھکر ہواخوری کرتے اور پھر بنگلہ پر باغ میں بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کی عرض معروض سنتے رہتے ہیں زائد اوقات میں کتب بینی اور اخبار بینی کرتے ہیں دس بجے رات کو خوابگاہ میں جاکر سو رہتے ہیں۔ دو سال سے صحت میں خرابی اور قویٰ میں انحطاط پیدا ہوجانے کے باعث پہلی سی سرگرمی نہ رہی مگر آج کل کے نوجوانوں سے زیادہ جوش حروش کے ساتھ کارہائے متعلقہ انجام دیتے ہیں اور ہر کام وقت پر کر ڈالتے ہیں۔

عالی ظرفی بحیثیت ایک مصلح، بر بپیگنڈسٹ اور ذمہ دار حاکم ہونے کے انھیں اکثر

و بیشتر مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور دوچار ہونا پڑتا ہے چنانچہ "ترکی کی حماقت" کی اشاعت کے دور میں انھیں اکثر گمنام فحش خطوط بھیجے گئے، قتل وضرر رسانی کی دھمکیاں دی گئیں یا غرضمند مدیرانِ اخبار اُن کے طریۂ عمل اور ان کی ذات کی مخالفت میں ناروا مضامین لکھا کئے اور لکھتے رہتے ہیں اور گاہے ماہے بعض بدنفس و بدسرشت ماتحت حکام مخالفت کرتے رہے یا کرتے رہتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ اس قسم کی حرکات کا جواب تبسم زیرلب یا ایک قہقہہ بلند سے دیا کئے اور دیتے رہتے ہیں۔ اپنے دربردہ مخالفین کا پتہ چل جانے یا مخالفین پر ہر طرح دسترس حاصل ہونے کے باوجود انھوں نے کبھی اُن سے بدلا نہ لیا مثلاً مدیر "کرانت کاری" اخبار جھانسی نے بعض کینہ ور لوگوں کی غلط سلط اطلاعات کی بنا پر غالباً ۲۹-۱۹۲۸ء کے مابین جب اُن کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا ہے ان کے لئے ذرا بھی دشوار نہ تھا کہ وہ اس کے خلاف مقدمہ چلا دیتے یا ایک معمولی سے اشارے پر اس کو کافی نقصان پہونچا دیتے مگر انھوں نے مطلق پروا نہ کی آخر اُن کے صبر و ضبط کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود منفعل و شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔

۵۔ دیانتداری باوجود اپنی سخت مخالفت کے وہ تدین پر نہ صرف خود مدۃ العمر عامل رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے رہے۔ "ثمرۂ دیانت" کی تصنیف اسی جذبہ کی ایک جھلک تھی جس کو اگر ان کے دقائع حیات سے مقابلہ کیا جائے تو آپ بیتی بالوں کا مجموعہ ثابت ہوگی۔

یہی وہ صفت ہے جس نے ان کو حکام اور مغربی اعلیٰ سوسائٹی میں ہمیشہ عزیز موقعہ کھکر انھیں مدارجِ اعلیٰ پر پہونچایا۔

میجر کو ڈپٹی کمشنر پرتابگڈھ کے ساتھ جب وہ دورے پر گئے ہیں اور ایک تعلقدار کے دارالریاست میں کیمپ ہوا ہے تو چونکہ اودھ کا دستور تھا کہ جب کوئی افسر کسی تعلقدار کے جائی قیام میں خیمہ زن

ہوتا تھی۔ ایک روز تعلقہ دار کے یہاں اسکی دعوت ہوتی اور علاوہ اجناس کے ہر اہلکار کے واسطے کچھ نقد رقم بھی آتا تھا۔ اس لئے حسب معمول دعوت ہوئی۔ صاحب نے ڈالی منظور فرمائی اور تعلقدار کے گماشتہ نے لشکر میں پہونچکر تمام اہلکاروں کے یہاں غلہ، گھی، بکرا اور اسی قسم کا سامان بھجوایا اور فی کس ایک ایک ماہ کی تنخواہ نذر کی۔ سب سے آخر میں وہ ان کے یہاں پہونچا اور علاوہ اشیائے خوردنی کے زرِ نقد بھی دینا چاہا۔ انھیں اس سے پہلے کبھی اس قسم کا نذرانہ لینے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ سوچے کہ لوں یا نہ لوں۔ آخر کو یہ فیصلہ کیا کہ صاحب سے دریافت کرلیا جائے اگر وہ حکم دیں تو خیر ورنہ واپس کردیا جائے لہٰذا اسی وقت صاحب کے نام چٹھی لکھی جس میں دعوت کا ذکر اور رقم کا تذکرہ تھا اور لکھا تھا کہ "جنس تو لینے میں مجھے عذر نہیں کیونکہ خود حضور نے ڈالی قبول فرمائی مگر نقد کے لینے میں مجھے اعتراض ہے۔ میں اس قدر مفلس نہیں ہوں کہ کسی تعلقدار کی خیرات قبول کروں۔ نقد عطیہ کو میں کسی اور نظر سے دیکھتا ہوں"!

صاحب نے جواب دیا "میں تمہارے اعلیٰ خیالات کی قدر کرتا ہوں اور تمکو اس احساس عزت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ فوراً سب چیزیں واپس کردو!" انھوں نے گماشتہ سے یہ عذر کرکے کہ صاحب نے اجازت نہیں دی سب چیزیں واپس کردیں۔ گماشتہ نے بہت اصرار کیا اگر انھوں نے ایک نہ مانی۔ گماشتہ کا تمام اشیا لیکر اِن کے خیمہ سے واپس ہونا تھا کہ دم بھر میں یہ خبر سارے لشکر میں پھیل گئی اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں آخر کار اور اہلکاروں نے بھی سامان واپس کردیا اور اِن کو جی بھر کے بُرا بھلا کہا اور گماشتہ کو سمجھایا کہ اِن کے اس طرزِ عمل سے تعلقدار صاحب کی سخت اہانت ہوئی۔ ان کو ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملکر قاضی صاحب کی شکایت کرنا چاہیئے۔ تعلقدار صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو بیحد برافروختہ ہوئے اور پیچ و تاب کھاتے ہوئے فوراً تشریف لائے اور صاحب سے ملکر شکوہ کیا۔ صاحب نے کہا "مگر آپ نے عزیز الدین کو نقد روپیہ بھیجا، وہ معمولی عملہ والا آدمی نہیں، شریف و شریف زادہ ہے کیسے لے لیتا؟"

تعلقدار صاحب نے کہا "حسب دستور میرے مختار نے ان کے روبرو روپیہ پیش کر دیا۔ قصور ہوا" صاحب نے قاضی صاحب کو بلا بھیجا اور کہا "وکیل عزیز الدین! راجہ صاحب کا ڈالی لینے میں آپ کو انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم ان کو بتلا دیا کہ آپ کو نقد روپیہ نہیں بھیجنا چاہیئے تھا یہ بات آپکی عزت کے خلاف تھی" وہ سلام کر کے چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد تعلقدار صاحب ان سے انکے خیمہ میں ملنے آئے اور میوہ پھل اور ترکاری کی دو ڈالیاں جیسی صاحب کو بھیجی تھیں اُن کے لئے بھی لائے جن کو انھوں نے بکمال تشکر و امتنان قبول کر لیا۔

اس خبر سے لشکر میں تسکین ہوئی اور سب نے واپس کیا ہوا سامانِ دعوت مانگ مانگ کر لیا۔

اس کے بعد ہر مقام پر جب تک یہ ڈالی نہ لیتے تھے اہلکارانِ ہمراہی دعوت قبول نہ کرتے تھے۔

مسٹر ولسنٹ اسمتھ کلکٹر بستی نے بندا پرشاد نامی ایک زبردست فریبی و رشوت ستاں اہلکار کو یہ کہکر انکی تحتی میں تعینات کیا تھا "تم سے زیادہ بہتر رشوت لینے والے اہلکار کو راہِ راست پر لانے والا دوسرا افسر نہیں ہے لہذا تم اس کو اپنی تحصیل میں لے لو۔"

اب بھی وہ رشوت ستاں اہلکاروں سے بیحد جلتے ہیں اور جرم ثابت ہو جانے پر سخت برتاؤ کرتے ہیں۔

بے تعصبی

انھوں نے ہندوستان کے اس زمانہ میں آنکھ کھولی جب یہاں ہندو اور مسلمان واقعی دو بھائی تھے اور ان کے مابین منہ بولے رشتے اس عمدگی کے سمجھے جاتے تھے کہ آج قریبی قرابتیں بھی نہیں نبھتی ہیں۔ پھر حلقۂ احباب میں جس کا ذکر ہم اس سے پہلے باب میں کر آئے ہیں، ہنود کی اکثریت نے ان کے ساتھ رشتۂ اتحاد و یگانگت کو مضبوط کیا۔ انگریزوں جیسی بے تعصب قوم سے کافی و وافی ہم نشینی رہی مزید برآں علم، عقل اور تجربہ نے ان کی چشم بصیرت کو اور روشن کیا یہی وجہ ہے کہ ہندو ریاستوں میں وزارت جیسے وسیع الاختیارات منصب کے فرائض انجام دینے پر بھی کہیں کسی فرد بشر کو اُن سے واقعی شکایت کی نوبت نہ آئی۔ وہ معاملات

میں مذہب وملت کی قیود سے قطعی آزاد ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات کو عہد وزارتِ "دھولپور" میں "آریہ حملہ کی روک تھام" سے ہمارے متذکرہ بالا بیان کے خلاف خطور ہو اور وہ اس کارروائی کو محمول بہ تعصب کریں لیکن معترضین کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قاضی صاحب نے وہاں آریہ مشن کی کارروائیوں کا انسداد بحیثیت مسلمان نہیں بلکہ بحیثیت وزیر دھولپور کیا تھا اور دھولپور "سناتن دھرم" عقیدے کی ریاست ہے ان کی بے تعصبی کا اظہار مدیر اخبار "نریش" لاہور کی ان چند سطور سے ہو سکتا ہے وہ اپنے اخبار کی اشاعت ۱۲ مئی ۱۹۲۹ء میں رقمطراز ہیں:

"حلقۂ "نریش" میں خان بہادر قاضی عزیز الدین احمد، وزیر اعظم، دتیا کا اسم گرامی کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ دتیا کے ایک روشن دماغ مدبر اور بیدار مغز حیف منسٹر ہیں اور ریاست میں متعدد اصلاحیں آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کی مرہونِ منت ہیں۔ سب سے بڑی خوبی جو آپ میں پائی جاتی ہے وہ یہ کہ تعصب سے قطعی بالاتر ہیں اور ہندو مسلمان دونوں کو ایک ہی خدا کا بندہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ معلوم کرنا انتہائی مسرت خیز ہے کہ آپ نے ایک ہندو مندر میں نقرئی دروازہ چڑھانے کی رسم اپنے دستِ مبارک سے ادا فرما کر ریاست کی ہندو رعایا کے دل میں اور زیادہ گھر بنا لیا یہ مندر ریاست دتیا کے ایک گاؤں "اناؤ" میں واقع ہے ...."

از روئے عقائد وہ سنی المذہب ہیں لیکن درحقیقت ان کا کوئی مذہب نہیں اور ہے تو "صلح کل" "با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام" ان کو ان کے خیالات کی بنا پر ایک صوفی صافی کہا جا سکتا ہے۔

۷۔ وفاشعاری وفاشعاری بھی ان کے خصائل مخصوص میں ہے۔ یہ ان کا جذبۂ وفاداری
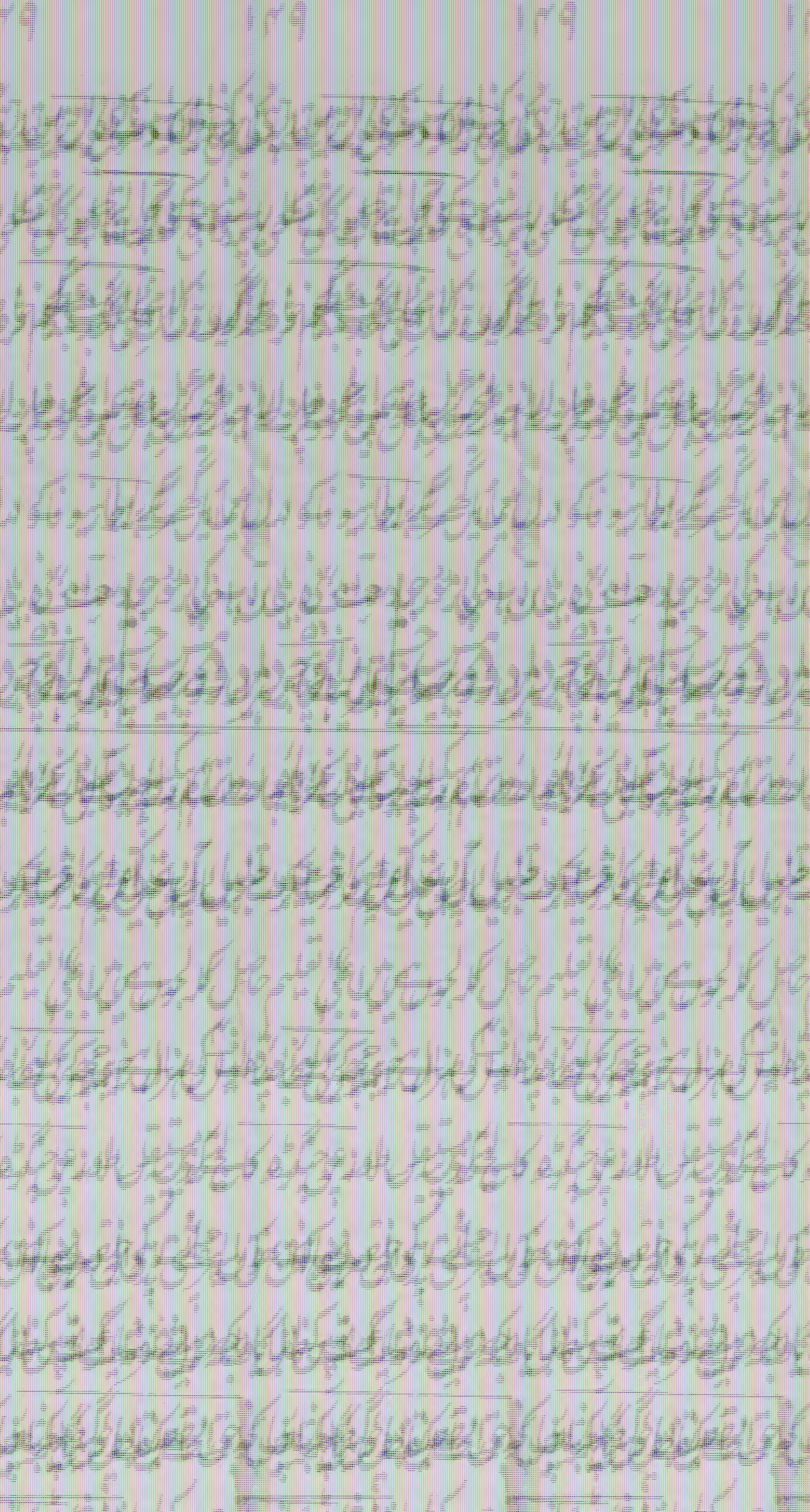
۹۔ مروت مروت ان کے مزاج میں بے انتہا ہے۔ جو لوگ ان کی ظاہری حالت سے ان کے بیشمار تمول کے وہم میں رہتے ہیں اور ان کی اندرونی کیفیت سے ناواقف ہیں وہ برابر اُن سے استدعا کرتے رہتے ہیں۔ کسی کا پریس جل گیا لکھ بھیجا "میں تباہ ہو گیا کچھ دیجئے" کسی کو شادی کرنا ہے تو روپیہ کی طلب ہے۔ غرض کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ دو چار خط اس قسم کے نہ آجاتے ہوں اور وہ بھی جس وقت تک ان کے ذاتی اخراجات کا روپیہ کفایت کرتا ہے بھیجتے اور دیتے ہی رہتے ہیں جس کا لابدی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بسا اوقات پریشان ہو جاتے ہیں اور تکلیفوں کا سامنا کرتے ہیں مگر تنگدل نہیں ہوتے۔

سرکاری معاملات میں اکثر ایسا ہوا کہ انھوں نے کسی کو انتظاماً برخاست کیا اور وہ پریشان ہو کر سامنے آیا تو مدتوں اپنی جیب سے تنخواہ دیتے رہے چنانچہ دتیا میں ایک ناظم (مجسٹریٹ) تھے امام الدین نامی۔ اُن کی رشوت ستانی کی جب شکایت ہوئی اور حد تیقن کو پہونچ گئی تو انھوں نے ان کو برخاست کر دیا۔ دو تین مہینہ کے بعد وہ خستہ حالی کے عالم میں ان کے پاس پہونچے اور اُن کو گھیرا تو اُن سے اُن کی ابتری حال کی برداشت نہ ہو سکی اور انکے مرتے دم تک انھیں ان کے عہدے کی تنخواہ اپنی جیبِ خاص سے دیتے رہے۔

۱۰۔ مہمان نوازی وہ بیحد متواضع اور اعلےٰ درجہ کے مہماں نواز ہیں۔ مہمانوں کی کثرت سے غایت درجہ مسرور ہوتے ہیں بہت سے لوگ آپکے وسیع دسترخوان سے مدتوں بالاستقلال استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۰۔ ذہانت وطباعی وہ نہایت ذکی، ذہین اور زود فہم آدمی ہیں۔ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں گئے تو مطلق تیاری نہیں کی تھی اور نہ کتابیں دیکھی تھیں مگر تمام سوالوں کے قیاسی جواب لکھے اور اول نمبر پر پاس ہوئے۔

۱۲- خودداری خودداری کی کیفیت بھی اُن میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جو کوئی اُن سے ان کے شایانِ شان برتاؤ کرتا ہے اس سے وہ بخندہ پیشانی ملتے ہیں اور جو ذرا بھی اس کے خلاف پیش آتا ہے وہ اس کے پاس پھٹکنے کو بھی گوارا نہیں کرتے چنانچہ ۱۸۹۰ء میں بحیثیت قائم مقام اسسٹنٹ ڈائرکٹر زراعت کے مسٹر ارمارٹ ڈپٹی کمشنر اناؤ سے ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ ارمارٹ صاحب نے کہا "جوتہ اتار کے آیئے" انھوں نے انکار کیا اور فوراً بنگلہ سے واپس چلے آئے معاملہ گورنمنٹ تک گیا اور ڈپٹی کمشنر موصوف کو اُن سے معافی مانگنا پڑی۔ خیر یہ واقعہ تو ان کے زمانۂ عروج کا ہے انھوں نے عالم امیدواری میں بھی آن بان کو ہاتھ سے نہ جانے دیا چنانچہ امیدواری کے ابتدائی زمانہ میں وہ ایک دن کرنل برکنس (ڈپٹی کمشنر پرتابگڈھ کی ملاقات کو گئے۔ صاحب بہادر شیخ محمد حسین بن شیخ نجف علی صاحب (ڈپٹی کلکٹر) سے ملاقات کر رہے تھے چپراسی کے اطلاع دینے پر ان کو بھی بلا لیا۔ محمد حسین کرسی پر بیٹھے تھے، ان کے واسطے کرسی نہیں منگائی اور کھڑا رکھا۔ انھیں بہت شاق ہوا اور رخصت کے وقت صاف صاف کہدیا "مجھ میں اور محمد حسین میں صرف یہ فرق ہے کہ ان کے والد زندہ ہیں اور میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے ورنہ وہ اور ہم دونوں ڈپٹی کلکٹر ہی کے بیٹے ہیں" کرنل صاحب نے ان سے معافی مانگی اور آئندہ ہمیشہ لحاظ رکھا۔

۱۳- عدل گستری اور آن بان وہ ایک منصف مزاج آدمی ہیں اور ہمیشہ فصل مقدمات میں انھوں نے یہ امر خاص طور پر مدنظر رکھا کہ ان سے ناانصافی نہ ہونے پائے اور اس معاملہ میں وہ کاغذی بیان کے کبھی پابند نہ رہے بلکہ احوال پر نظر ڈالکر انھوں نے ایک صاف راستہ نکالا اس طرزِ عمل کی وجہ سے اُن سے بعض بعض حکام سے کبھی کبھی لگاڑ بھی ہوا مگر انھوں نے مطلق پرواہ نہیں کی اور کبھی سررشتہ انصاف کو اپنے ہاتھ سے

جانے نہ دیا اور قابلیت کے ساتھ کلّہ بہ کلّہ دنداں شکن جواب دئے مثلاً جونپور میں ایک مرتبہ ایک نو عمر آدمی کا چالان پولیس نے جوتہ چرانے کے جرم میں کیا۔ مقدمہ ان کے اجلاس میں پیش ہوا۔ ملزم نے جواب میں لکھایا "مجھ سے اور سب انسپکٹر پولس سے دو دن پہلے تکرار ہو چکی ہے میں نے اُس کے خلاف استغاثہ اسی عدالت میں دائر کیا ہے اور عدالت ابتدائی ثبوت لینے کی تاریخ بھی مقرر کر چکی ہے۔ اب سب انسپکٹر نے دوسرے دن یہ مقدمہ بنا کر میرا چالان کر دیا ہے" چلتے ہوئے پولس افسران کی حرکات کو دیکھتے ہوئے ہر ذی فہم اس بیان کو قطعی سچ سمجھ سکتا تھا لہٰذا قاضی صاحب نے بھی اس کو بے قصور سمجھا اور فوراً رہا کر دیا۔ کورٹ انسپکٹر نے پولس سپرنٹنڈنٹ سے ان کی شکایت کی کہ " یہ پولیس کے چالانی مقدمات کو چھوڑ دیا کرتے ہیں" پولیس سپرنٹنڈنٹ ایک سن رسیدہ اور پنشن جانے کے قریب انگریز تھا۔ اس نے مسل منگا کر مجسٹریٹ ضلع کو ان کی شکایت لکھ بھیجی جس میں انھیں "نو عمر اور ناتجربہ کار" وغیرہ لکھا۔

مسٹر فور مجسٹریٹ تھے انھوں نے وہ رپورٹ اِن کے پاس بھیجدی۔ قاضی صاحب کو وہ رپورٹ پڑھکر سخت غصہ آیا اور جواب میں لکھا" نوعیت معاملہ کا سمجھنا ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس کی حیثیت سے باہر تھا اور اس نے جو مجھکو کم عمر ناتجربہ کار لکھا یہ اس کی غلطی ہے وہ خود سٹھیایا ہوا بڈھا اور ایک ناکارہ آدمی ہے" مسٹر فور اس تحریر کو دیکھکر بہت پریشان ہوئے' ایک طرف وہ قاضی صاحب کے عنایت فرما' دوسری طرف خود ان کا مسلمہ مقوم اور روئداد مسل قاضی صاحب کے موافق اور انھیں یہ اعتماد کہ معاملہ گورنمنٹ تک پہونچا تو سپرنٹنڈنٹ پر پھٹکار پڑے گی اور میرا فیصلہ بحال رہے گا" بیچارے عجب کشمکش میں تھے آخر کار انھوں نے قاضی صاحب کو بلا کر دوستانہ طور پر فرمائش صلح کی۔ انھوں نے جواب دیا" اگر سپرنٹنڈنٹ اپنی تحریر واپس لے لے تو مجھے اپنی تحریر کے واپس لینے میں ذرہ بھر عذر نہیں" صاحب موصوف نے سپرنٹنڈنٹ کو بلایا اور دونوں میں

مصالحت کرادی۔ دونوں نے اپنی اپنی تحریریں چاک کرڈالیں اور بعد میں سپرنٹنڈنٹ نے تسلیم کرلیا
کہ قاضی صاحب کی رائے صحیح تھی اور یہ کورٹ صاحب کی عنایت تھی جو انھوں نے غلط فہمی پھیلائی
اور نوبت بانیجا رسید۔

۱۳۔ احباب پرستی وضعداری

گو وہ دیر آشنا ضرور ہیں لیکن جب کسی سے ان کے تعلقات ہو جاتے ہیں تو ان کو ہمیشہ نباہنے کی کوشش کرتے ہیں

اوائلِ عمر میں وہ ایک مرتبہ اپنے والد ماجد کے ساتھ لکھنؤ گئے تو وہاں شیخ واجد حسین تحصیلدار گدیہ
اور چودھری احسان رسول صاحب تعلقدار ردولی سے جو تعلقدار انسٹیٹیوٹ میں انگریزی
پڑھتے تھے ملاقات ہوئی[1] اور وہ حضرات بہت خلوص سے ان کے ساتھ پیش آئے قاضی صاحب
نے اس ملاقات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور برسوں ان سے خط وکتابت رکھی۔

اُن کو اپنے مخلص احباب کے ساتھ ہمیشہ وہ محبت رہی جو دوسروں کو اپنے اعزا واقارب کے
ساتھ بھی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی دوست مرجاتا ہے تو وہ ہفتوں رنجیدہ خاطر رہتے ہیں اور اس
امرِ خاص میں ہندو، مسلمان، عیسائی و پارسی کی تمیز نہیں کرتے۔ اپنے احباب کی ہر ممکن امداد
کے لئے ہمہ وقت خندہ پیشانی کے ساتھ کمربستہ رہتے ہیں۔ اِس امر کو بہت ہی معیوب سمجھتے ہیں
کہ آج کسی کے متعلق کچھ خیال کریں اور کل کچھ چنانچہ سید حامد مرحوم (ابن سر سید مرحوم) سپرنٹنڈنٹ پولیس
پرتاب گڈھ سے ان کو میجر لو نے ملایا تھا اور وہ ان کے احباب خاص میں تھے۔ حامد صاحب ایک
رنگین مزاج، آزاد اور رند آدمی تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اس قدر غرقِ عیش وعشرت ہوئے کہ کارسرکار
کی انجام دہی میں بھی کوتاہی کرنے لگے اور انگریزوں سے توڑنے کے لئے ہر وقت بہانے ہی
ڈھونڈا کرتے تھے۔ کسی نے میجر صاحب سے ان کی خانگی ونجی زندگی کے حالات بیان کردئے اور

---

[1] قاضی صاحب کو انگریزی پڑھنے کا خیال انھیں حضرات کی چند روزہ صحبت میں پیدا ہوا تھا۔ کشتہ قادری

دونوں میں اس قدر کشیدگی بڑھی کہ صاحب سلامت تک ترک ہوگئی۔ ایک دن میجر صاحب نے قاضی صاحب سے کہا "مسٹر حامد کی صحبت اچھی نہیں۔ تم اُن سے مت ملا کرو" انھوں نے جواب دیا "حامد صاحب سے میری دوستی ہے اور وہ بھی آپ کی کرائی ہوئی۔ اب شرافت کے خلاف ہے کہ آپ کی ناراضی کی وجہ سے میں اُن سے میل جول چھوڑ دوں" اس جواب سے میجر صاحب نے بجائے ناراضی کے ان کی وضعداری، پختہ خیالی اور احباب پرستی کی داد دی اور کہا "بیشک ایک شریف آدمی کو یہی چاہیے"۔

۱۴۔ حاضر جوابی اور موقع شناسی

وہ بہت بڑے موقع شناس اور حاضر جواب ہیں۔ قلمبرداشتہ کوئی مضمون لکھدینا یا فوراً مسکت جواب دیدینا ان کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ آیبر صاحب کی معیت میں انھیں اکثر ایسے مواقع پیش آئے کہ اگر یہ صفت ان میں نہ ہوتی تو سخت دقتوں آفتوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا چنانچہ "غلام بچوں کو انھوں نے محض اپنی حاضر جوابی سے رام کیا۔ اور جس زمانہ میں وہ پرتابگڈھ میں "سپرنٹنڈنٹ مردم شماری" تھے۔ میجر ہسٹینگز نے وہاں کی ڈپٹی کمشنری کا چارج لیتے ہی حکم دیا۔

"سوائے رؤسا اور ذیمرتبت حکام کے کوئی بنگلہ پر ملاقات کو نہ آیا کرے"

قاضی صاحب اس حکم سے بہت گھبرائے۔ خیر۔ ایک ہفتہ میں صاحب موصوف نے انکے مردم شماری کے پندرہ روزہ پرچہ پر "ملاحظہ شد" لکھدیا۔ لیکن جب دوسرے پندرہ روزہ میں بھی پرتابگڈھ کا کام اول رہا تو لکھا "میں سپرنٹنڈنٹ کو اس کی حسن کارگزاری پر مبارک باد دیتا ہوں" اب ان کی ہمت بڑھی اور وہ بنگلہ پر ملاقات کو گئے وہاں عجب معرکہ پیش آیا ایک نائب تحصیلدار اُن سے پہلے پھونچے تھے اور ملاقات کے کمرے میں صاحب اُن سے گفتگو کر رہے تھا۔ قاضی صاحب برآمدے میں انتظارِ فرصت کر رہے تھے کہ آوازیں آنا شروع ہوئیں۔

صاحب:۔ بیٹھیے

نائب:۔ میں حضور کے سامنے کیونکر بیٹھ سکتا ہوں۔

صاحب:۔ آپ کس واسطے نوکری کرتا ہے؟

نائب:۔ میں حضور کا مطلب نہیں سمجھا۔

صاحب:۔ ہم یہ پوچھتا ہے کہ تم کس مطلب سے نوکری کرتا ہے؟

نائب:۔ حضور! میرے والد ڈپٹی کلکٹر ہیں اور عنقریب پنشن جانیوالے ہیں۔ کوئی ذریعہ بسر اوقات کا نہیں اگر نوکری نہ کروں تو خاندان کی پرورش کیسے ہو؟

صاحب (زور سے قہقہہ لگاکر) او! صرف روپیہ کمانے کو، پیٹ پالنے کو۔ اچھا! رخصت

اس گفتگو سے قاضی صاحب سمجھ گئے کہ صاحب بہادر اظہارِ مفلسی و پست ہمتی کو ناپسندیدہ جانتے ہیں فوراً اپنے دل میں ایک تقریر سوچی اور طلبی پر اندر پہونچے۔ سلام کیا۔

صاحب نے کہا "بیٹھیے"، وہ بیٹھ گئے "آپ کا نام عزیزالدین احمد ہے"؟ صاحب نے دریافت کیا "جی حضور"، قاضی صاحب نے جواب دیا "آپ کس واسطے نوکری کرتا ہے"؟ صاحب نے پوچھا "حضور! میرا قصہ کسی قدر طویل ہے، اجازت ہو تو عرض کروں" قاضی صاحب نے کہا "کہئے"، صاحب نے فرمایا "میرے دادا سرکار شاہی میں اعلیٰ عہدہ دار تھے بعد انتزاعِ سلطنتِ اودھ میرے والد انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت میں داخل ہوکر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ دو سال ہوا انتقال کرگئے نوابی میں باپ کی جگہ بیٹا مقرر ہوجاتا تھا۔ انگریزی میں وہ دستور نہیں۔ میرا کوئی سفارشی تھا اور نہ وسیلہ جو والد کے انتقال پر مجھے کوئی اچھی جگہ ملتی، مگر بھی کم تھی۔ باوجود چیف کمشنر صاحب کے سرکلر کے مجھے آج تک کسی نے اچھا عہدہ نہ دیا مگر چونکہ مجھے گورنمنٹ سے سلسلۂ وابستگی قائم رکھنا اور

اپنے باپ کا عہدہ لینا تھا، اس لئے اس مسافر کی طرح جس کے پاس روپیہ نہ ہو اور سفر دور دراز طے کرنا ہو میں ریل پر سفر نہ کر سکا بلکہ اپنی ہمت، خدا کے فضل اور انگریزی حکام کی عنایتوں اور حق پسندیوں پر بھروسہ کر کے پیدل چلا ہوں، اگر قسمت میں ہے تو منزلِ مقصود کو پہونچ جاؤں گا، ورنہ جس طرح ہزاروں آدمی روز مایوس ہو کر اور تھک کر مر جاتے ہیں، میں بھی ختم ہو جاؤں گا"

قاضی صاحب نے عرض کیا اس تقریر کا عجب برقی اثر مجسٹریٹ پر ہوا وہ فرطِ مسرت سے اٹھکر کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انھوں نے کہا مولی! ہم تمہاری ہمت اور اولوالعزمی سے بہت خوش ہوا اور تمکو یقین دلاتا ہے کہ تم ضرور کامیاب ہوگا"

وہ وقت خاص طور پر قابل دید ہوتا ہے کہ ڈاک آگئی ہے، اخبارات، رسائل اور مختلف عنوانات و معاملات پر سرکاری، نیم سرکاری اور نجی بیشمار خطوط ہیں، سکرٹری سامنے موجود ہے ادھر ایک تحریر دیکھی ادھر فوراً جواب لکھوا دیا۔ ایک ہی وقت میں مختلف امور کی جانب دماغ کا متوجہ ہو جانا اور پھر کسی امر میں بھی کمی و کوتاہی نہ ہونا دماغی اعجاز اور انکی حاضر جوابی دبدیہ گوئی کا اعلیٰ ثبوت نہیں تو کیا ہے؟

۱۵۔ علم دوستی وہ ایک بیحد علم دوست بزرگ ہیں۔ ان کا ایک اعلیٰ ذاتی کتب خانہ ہے جس میں اردو، فارسی، اور انگریزی کی بہت سی کتابیں ہیں علاوہ ہمیشہ مطالعہ میں مصروف رہا کرتے ہیں

۱۶۔ قدردانی علم و فن وہ صاحبان کمال کے شیدا ہیں اور علماء فضلا کی بیحد قدردانی کرتے اور دامے، درمے، قدمے، سخنے، قلمے، ان کی سرپرستی کیلئے ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد پر ایک صاحب نے ایک نظم لکھکر اُن کے سامنے پیش کی تو اُنھوں نے اُنھیں دو سو روپیہ صلہ مرحمت فرمایا۔ اہل علم و کمال نے آپ کی قدردانی کے باعث اکثر اپنی تصنیفات و تالیفات کو آپ کے نامِ نامی سے معنون و منسوب کیا ہے۔

۱۷۔ رنگین مزاجی وہ ایک زبردست کیریکٹر کے بزرگ ہیں مگر زاہدِ خشک نہیں۔ خود کبھی کوئی جلسۂ رقص وسرود ترتیب نہیں دیا لیکن اگر کہیں طلب کئے گئے تو شرکت سے عذر بھی نہیں کیا۔ پرتاب گڈھ میں حامد و ہجر صاحبان کے ساتھ اس قسم کی صحبتوں میں برابر شرکت کی بستی کی تعیناتی کے زمانہ میں رائے درگا پرشاد اور مولوی عطاء اللہ مرحوم کے یہاں گورکھپور آتے جاتے اور برابر ناچ رنگ کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے۔ اب بھی شانِ زندہ دلی موجود ہے موقع آپڑتا ہے تو بے عذر و بے بہانہ شرکت کرتے ہیں۔

۱۸۔ شوخی و ظرافت ظرافت، دنیا کے ہر لائق، فاضل، مصلح اور ممتاز ہستی کی زندگی کا جزوِ لاینفک رہی ہے پھر قاضی صاحب بحیثیت ایک ممتاز ہستی کے اس سے کیوں خالی رہتے۔ اور وہ بھی ہجر و سجاد حسین کی صحبت میں رہ کر ان میں یہ مادہ بخوبی موجود ہے ان کی بے تکلف صحبتیں ہنسی، مذاق اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے ہمیشہ پرلطف رہتی ہیں۔

۱۹۔ وضع قطع قاضی صاحب بچپن سے ہندوستانی طرز میں رہتے تھے اودھ کی قدیم وضع کا پرتکلف لباس پہنتے اور ریشمی انگرکھے، کامدار ٹوپیاں اور شالی عبائیں استعمال کیا کرتے تھے لیکن پرتاب گڈھ کی سوسائٹی اور سرسید کے تتبع میں انگریزی لباس و طرزِ معاشرت اختیار کیا اور کوٹ، پتلون، ترکی ٹوپی پہننے لگے۔ رفتہ رفتہ ہیٹ بھی لگانے لگے اور اب یہی وضع ہے جوان کے سرخی مائل کھلتے ہوئے گندمی رنگ، بڑی بڑی آنکھوں، منڈی ہوئی ڈاڑھی ہونٹوں پر چھائی ہوئی نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی مونچھوں، پارسیوں جیسی لانبی ناک، چوڑے چکلے بازو، بھرے ہوئے جسم اور کشیدہ قد پر بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ دو ایک مرتبہ ان کو اپنی اس پوشش کی وجہ سے پریشانیوں کا بھی سامنا ہوا مگر انہوں نے ترک نہیں کیا۔ مثلاً

جب وہ بستی میں تحصیلدار ہو کر پہونچے تو مشہور و معروف ادیب و مورخ مسٹر اسمتھ وہاں

قائم مقام کلکٹر تھے انھیں ان ہندوستانیوں سے جو انگریزی وضع قطع رکھتے تھے سخت تنفر تھا. قاضی صاحب کو اول تو صاحب موصوف کی اس خصلت کا علم نہ تھا اور ہوتا بھی تو ان کے پاس ہندوستانی کپڑے ہی نہ تھے، وہ انگریزی لباس میں صاحب کی ملاقات کو گئے. اسمتھ صاحب نے سر سے پیر تک ان کو دیکھکر کہا، "مسٹر لیمسڈن کمشنر نے مجھکو بڑا دھوکا دیا اور مجھے آپ کو دیکھکر بہت مایوسی ہوئی. انھوں نے جب مجھے لکھا کہ وہ قاضی عزیز الدین احمد کو تحصیلداری کے عہدے پر میرے ضلع میں بھیجتے ہیں تو میں سمجھا کہ وہ کسی شریف و باوضع مسلمان کو دیں گے، جس کے لمبی ڈاڑھی ہوگی اور وہ سن رسیدہ و تجربہ کار آدمی ہوگا. میں ہرگز نہیں سمجھا تھا کہ وہ ایک کم عمر لڑکے کو میرے پاس بھیجدیں گے" قاضی صاحب نے اپنی وضع تو نہ بدلی مگر اپنی قابلِ ستایش خدمات اور اپنے حسنِ انتظام سے کلکٹر صاحب مذکور پر ثابت کر دیا کہ کم عمری و تغیرِ وضع مانع کارگزاری نہیں بلکہ اس کیلئے صرف محنت و جانفشانی کی ضرورت ہے.

بہرحال اُنھوں نے اس وضع کو کبھی ترک نہیں کیا اور آج تک نہایت استقلال و عمدگی کے ساتھ انگریزی لباس و طرزِ معاشرت کے پابند ہیں اور باوجودیکہ وہ انگریزی لباس اور طرزِ معاشرت کے بہت دلدادہ ہیں نہیں چاہتے کہ ہر کہ و مہ اس رنگ میں رنگ جائے بلکہ اُن کا خیال ہے کہ جو اس وضع کو آسانی کے ساتھ بہمہ وجوہ نبھا سکے وہ اختیار کرے ورنہ ہرگز نہیں. اسی مقصد کے اظہار کے لئے انھوں نے "شماتت ہمسایہ" نامی ناول تصنیف کیا اُس میں کلکٹر ضلع کی زبان سے ناول کے ہیرو "امیر حسن" سے کہلایا ہے۔

میری رائے میں لباس انگریزی اور انگریزی طرزِ معاشرت ہرگز برا نہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ ضرور ہے کہ اپنی حالت اور اندازے کے مطابق سب کام کرنا چاہیے۔ اگر تم سمجھو کہ تمہاری آمدنی اُن اخراجات کی متحمل نہ ہوگی تو ہرگز اس کو اختیار نہ کرو۔ دنیا کی نگاہ میں

مقروض اور زیر بار ہونے سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ تم چند انگریزوں میں نیم وحشی یا غیر مہذب سمجھے جاؤ۔ تم لوگ انگریزی وضع اور لباس میں ہم لوگوں کی تقلید کرتے ہو لیکن اس میں ہماری پیروی نہیں کرتے کہ ہم روپیہ کو کس انتظام سے خرچ کرتے ہیں۔ بیشک ہندوستان میں انگریزوں کو بعض خرچ مجبوراً بے ضرورت کرنا ہوتے ہیں لیکن تب بھی کیسی ہی کم تنخواہ کا انگریز کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ ضرور بچاتا ہے۔ مسٹر امیر حسن تم غور کرو کہ اگر تم خدانخواستہ بیمار ہو جاؤ اور کسی دوست سے تمکو کچھ امداد کی توقع نہ ہو تو اس وقت اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے تو کیا کرو گے۔ ڈاکٹر کی فیس دوا کی قیمت کہاں سے دو گے؟ اس طرح ہزار ضرورتیں پیش آجاتی ہیں جن کا پہلے سے شان وگمان نہیں ہوتا ــــــــــــــ الخ

مندرجۂ بالا سطور سے کفایت شعاری و انجام بینی وغیرہ کے متعلق بھی ان کے خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔

۲۰۔ قاضی صاحب کے معائب

قاضی صاحب کی سیرۃ ختم ہو رہی ہے اور ہمارا یہ اندیشہ بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے "ہم نے ان کے حیات نگاری میں مداحی محض سے کام لیا اور تصویر کا دوسرا رخ نہیں دکھایا۔ یعنی اُن کے عیوب بیان نہیں کئے" ؎

اوّل تو عیب و ہنر کے متعلق ہمارا چونکہ یہ خیال ہے کہ اس ضمن میں ہر فرد اور ہر جمعیۃ کا نقطۂ نگاہ جداگانہ ہوتا ہے چنانچہ جو چیز ایک شخص کی نظر میں مستحسن ہوتی ہے وہ دوسرے کی نظر میں معیوب ہوا کرتی ہے مثلاً قاضی صاحب کا "ترکی کی حماقت" یا "ثمرۂ دیانت" تصنیف کرنا اگر کچھ لوگوں کی نظر میں اچھا ہے تو کچھ کی نظر میں برا بدیں حیثیت ہم ان کے متعلق سب کچھ بیان کر آئے اور اب چنداں ضرورت توضیح نہیں

؎ بسلسلۂ تصنیف "حیات جاوید" مولانا حالی مرحوم پر بھی یہی ایک سب سے بڑا اعتراض ہے ۔ ۱۲ ۔ گشتہ۔

دوسرے ایسے عیوب جو درحقیقت متفقہ جمہور ہوں یا ہو سکتے ہوں ان کی دریافت کا ذریعہ عقلاء کی نظر میں دشمن ہوتا ہے۔ مگر آج کل کی دشمنی نے بھی اور امور کے دوش بدوش یہ ترقی کرلی ہے کہ اس کے ذیل میں بے سروپا امور بیان کرنا برا نہیں سمجھا جاتا اور اس طرح حقیقت پر گہرے پردے پڑ جاتے ہیں۔ زمانہ قدیم کے سے وہ دشمن کہاں جو مخالف کی حقیقی برائیاں بلا کم وکاست بیان کردیں اور اگر مبالغہ گوئی سے کام لیں تو طرز ادا سچ اور جھوٹ کو ایک دوسرے سے متمائز کردے۔ پھر چونکہ قاضی صاحب کے دشمنوں کو بھی ہم نے ان کا مداح ہی پایا اس لئے ہم مجبور ہیں اور صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ اُن میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نکوسیرتی وخوش اخلاقی سے بدگویوں کے منہ بند کردئے اور اپنے عیوب پر ایسے تاریک پردے ڈالدئے ہیں کہ اُن کی ایک جھلک کا نظر آنا بھی دشوار ہو گیا ہے ع

کیا ہے جس میں وہ مرد کار نہیں

(حالی بتغیر "ردیف")
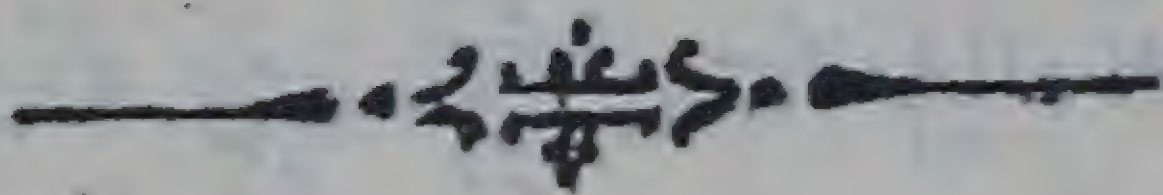
باب دوازدہم

اولاد

قاضی صاحب کو خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے علم، فضل، جاہ و مرتبت، مال و دولت، عزت و شہرتِ نیک کے ہم پلہ دولتِ اولادِ صالح بھی اچھی طرح عطا فرمائی ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں جو ماشاء اللہ سب اپنے پدر بزرگوار کی طرح لائق، فائق، خلیق، صاحب عزت و مرتبت غرض بہمہ وجوہ ان کے حقیقی پیرو اور ان کی سچی یادگار ہیں۔

(۱) قاضی امیر الدین احمد صاحب بی اے: خلفِ اکبر۔ ابتداءً صوبہ یو۔پی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پھر آپ کی خدمات اسی صوبہ کے محکمہ پوسٹ و ٹیلیگراف میں منتقل ہو گئیں اور آپ نے سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات کے عہدے پر ایک عرصہ تک نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کام کیا۔ اب ریاست بجاور (بندیلکھنڈ) میں وزارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز ہیں اور ریاست مذکور نے آپ کی خدمات حکومتِ ہند سے مستقلاً لے رکھی ہیں۔ آپ کے عہدِ وزارت میں بجاور نے بہت ترقی کی ہے راعی و رعایا دونوں آپ سے بہت خوش ہے اور کیوں نہ ہو۔

الولد سرٌ لابیہ

(۲) ڈاکٹر قاضی جلیل الدین احمد صاحب: یہ قاضی صاحب کے منجھلے بیٹے اچھے تعلیمیافتہ اور ڈاکٹری پاس ہیں۔ آپ نے ڈاکٹری کو ذریعہ کسبِ مال بنانا پسند نہ کیا۔

اسلئے سلطانیہ پلز بھوپال کے منیجر ہیں۔ اپنے کارِ منصبی کو باحسن وجوہ نہایت دیانتداری کے ساتھ انجام دیتے ہوئے بندگان خدا کی مفت طبی خدمت کرتے ہیں۔

(۳) قاضی تمیز الدین احمد صاحب :۔ یہ قاضی صاحب کے خلف اصغر اعلیٰ تعلیمیافتہ بہت محنتی وجفاکش آدمی ہیں اور بنگال ناگپور ریلوے میں "اسسٹنٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ" کے مرتبہ جلیلہ پر فائز ہیں۔

(۴) ایک صاحبزادی جو چودھری محمد مسعود صاحب تعلقدار و آنریری مجسٹریٹ اکبرپور (ضلع "بارہ بنکی") کی اہلیہ ہیں۔

یہ ہمارا ذاتی مشاہدہ ہے کہ بیشتر امرا اپنے بچوں کے ساتھ بیجا لاڈ پیار برتتے اور عموماً ان کی تعلیم و تربیت غیر ذمہ دار یا ذمہ داری کا احساس نہ رکھنے والی ہستیوں کے سپرد کردیتے ہیں جو مطلق درستی اخلاق و عادات کی پرواہ نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اکثر امیرزادے اوصاف رذیلہ سے متصف اخراب وخستہ اور بزرگوں کی پیدا کردہ عزت کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب کی اولاد کا انکی حین حیات پروان چڑھنا ان کی خوش قسمتی اور ان کی اولاد کی ترقیاں اور اس کا صاحبِ اخلاق و اوصافِ حمیدہ ہونا ان کی مہارتِ فنِ تربیتِ اولاد کی زندہ دلیل ہے۔

الدنیا لیس باقی ہوس